www.urducouncil.nic.in

Azadi Ka Amrit Mahotsav

G20 भारत 2023 INDIA

جنوری 2024، قیمت :- ₹10

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

بچوں کے قلمکاروں کے لیے سوالنامہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں بچوں کے قلمکاروں سے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے تاکہ بچوں کو قلمکاروں اور کتابوں کے بارے میں معلومات کے ساتھ ساتھ اپنا مستقبل اور کریئر بہتر بنانے کے لیے نئی روشنی اور نئی راہ بھی مل سکے۔ یہ ادارے کی طرف سے تیار کردہ سوالات ہیں، ان کے جوابات ادب اطفال سے جڑا ہوا کوئی بھی قلمکار دے سکتا ہے۔

1 بچپن کی کون سی باتیں/شوخیاں/شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

2 بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

3 بچپن میں کس کتاب نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

4 بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

5 بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

6 زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہوسکتی ہیں؟

7 مستقبل اور اپنے کریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

---

8 اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

9 آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

10 آپ کی پہلی تخلیق، کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

11 آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

12 کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

13 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟

14 ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟

15 کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟

16 انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہوسکتے ہیں؟

17 کیا اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا شائع ہونے والا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟

18 بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہورہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

19 معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

20 بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟

21 بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے!

22 ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں آپ کس نوع کی تبدیلی چاہتے ہیں؟

23 بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام!

* جوابات کے ساتھ پاسپورٹ سائز تصویر اپنی کتابوں کا عکس ضرور ارسال کریں۔

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
	مضامین	
قائدانہ اوصاف : شناخت اور فروغ	عظیم اقبال	07
بچوں کی تربیت	مظفر اسلام	10
مسلم نوبل انعام یافتگان	امتیاز احمد انصاری	14
اصلی آدمی نقلی آدمی	فاروق اعظم قاسمی	17
	جشنِ جمہوریت	
جشنِ جمہوریہ	مصباح الدین طارق	19
جشن یوم جمہوریہ	احمد جمیل	20
	سال نو	
تحفہ سال نو	دل کھولا پوری	21
سال نو مبارک	مختار ٹونکی	22
	انشائیہ	
چٹنی (انشائیہ)	محمد مستمر	23
	نظمیں	
چاند ستارے بچے	مناظر حسن شاہین	25
بکری کا بچہ	شبیر خان	25
شیر دہاڑا	امان الحق بالاپوری	26
اچھی لڑکی	کلیم رہبر	27
	ڈراما	
پڑھائی	شیخ فرحان گلنار علی	28
	انٹرویو	
جدید علوم پر مبنی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے	خیال انصاری	31
	کہانیاں	
کوئی چیز نکمی نہیں ہے	اقبال برکی	35
جنگل میں منگل	محمد موسیٰ رضا	38
جستجو کا سفر	ریاض اختر شفیق	41
	قسط وار ناول	
جنگل کی کہانی رمیش نارائن تیواری	مترجمہ : زینت شہریار	44
	بچوں کا کتب خانہ	
خوش خوش بچے اونچے درجے	حقانی القاسمی	50
کتابیں	محمد اسد اللہ	52
	صحت	
پان : ایک ہمہ گیر طبی پودا	شیخ تقدیس فاطمہ	53
	سائنس نامہ	
بچوں میں اسمارٹ فون کی عادت اور اس سے بچاؤ	اسامہ انصاری	55
	کہکشاں	
چمن چمن کے پھول		57
	واقفیت عامہ	
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات		58
	ننھے فنکار	
پینٹنگ		59

بچوں کی دنیا

جلد: 12 شمارہ: 01 جنوری 2024

مدیر : پروفیسر دھننجے سنگھ

نائب مدیر : عبدالباری

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون:49539000

شعبہ ادارت:11-49539009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages:64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22 تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002

فون:040-24415194

پیارے بچو! نیا سال 2024 اور جشن یوم جمہوریہ آپ سب کو بہت بہت مبارک!

نیا سال اپنے ساتھ نئے منصوبے، نئے حوصلے، اور نیا جوش لاتا ہے۔ ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے، گذشتہ سال ہم نے کیا کھویا کیا پایا؟ وقت کا استعمال صحیح طور پر کیا، یا نہیں، اس کے محاسبے کا بھی وقت ہے، ابھی آپ چھوٹے ہیں، کامیابی کے سارے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں، ابھی سے اپنے مستقبل کی فکر کریں، اس کے لیے صحیح پلاننگ کریں، یہ آپ کے سنہرے مستقبل کے لیے بہت ہی اہم وقت ہے، یہاں اگر چوک ہوگئی تو پھر آگے پچھتانے کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس آنے والے سال کو کیسے قیمتی بنانا ہے اس کے لیے مضبوط اور منظم لائحہ عمل کی ضرورت ہے، وقت کا صحیح استعمال، اساتذہ اور والدین کی نصیحت اور ان کے مشورے پر عمل ہی آپ کو مستقبل میں ایک اچھا اور سچا انسان بننے میں مدد کرے گی۔

پیارے بچو! پڑھائی کو اپنے لیے اوڑھنا بچھونا بنالیں، یہی وہ کنجی ہے جس کے ذریعے آپ کامیابی وکامرانی کے منازل طے کرسکتے ہیں، آپ خوش قسمت ہیں کہ جدید ٹیکنالوجی کے دور میں جی رہے ہیں، آج آپ کے پاس اسمارٹ فون ہے، موبائل ہے، لیپ ٹاپ ہے، اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ اس کا استعمال مثبت چیزوں میں کرتے ہیں یا منفی چیزوں میں۔ یہ سب اسی وقت مفید اور کارآمد ہیں جب ان کو معلومات اور نالج کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے، ورنہ تو موبائل میں اخلاق کو خراب کرنے والی چیزیں بھی ہیں، گیم، فلم، موسیقی اور اس طرح کے اور بھی فیچرز اور ایپ ہیں جن سے وقت ضائع ہوتا ہے، اپنے آپ کو مسابقتی امتحان کے لیے تیار کیجیے، یہ کمپٹیشن کا زمانہ ہے، جس میدان میں بھی آپ کو دلچسپی ہو اس سے متعلق کتابوں کا دل جمعی اور محنت کے ساتھ مطالعہ کریں، امتحان کی تیاری کے لیے گوگل کی مدد بھی لے سکتے ہیں اور بھی بہت سے معلوماتی ایپ اور آن لائن ویڈیوز ہیں جو آپ کے لیے معاون ثابت ہوں گی۔ درسی کتب کے علاوہ آپ تاریخ، معلومات عامہ، بچوں کے رسائل یا پھر جس موضوع میں بھی آپ کی دلچسپی ہو اسے ضرور پڑھیں، اس طرح آپ وقت کا صحیح استعمال کرپائیں گے اور موبائل پر وقت برباد کرنے کی بجائے اچھے کاموں میں آپ کا قیمتی وقت استعمال ہوگا۔

پیارے بچو! آپ کے لیے نئے سال اور جشن یوم جمہوریہ کی مناسبت سے چار نظمیں جنوری کے شمارے میں شامل کی گئی ہیں، موبائل کے فوائد ونقصانات سے متعلق ایک مضمون بھی اس میں ہے، اسے آپ ضرور پڑھیں اور بغور پڑھیں، اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ موبائل کا استعمال کس وقت اور کتنا کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ تاریخی، سائنسی وثقافتی معلومات کے عنوان سے بیس سوالات مع جوابات شائع کیے جاتے ہیں، اسے آپ ضرور پڑھیں اور محفوظ بھی کرلیں، مستقبل میں یہ بڑے کام آئیں گے۔

دعا ہے کہ نیا سال ہم سب کے لیے خوشی، امن وسکون اور راحت کا سال ثابت ہو۔

آپ کا

پروفیسر دھننجے سنگھ

ڈاک خانہ

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' نومبر 2023 کا شمارہ وقت پر موصول ہوا۔ نئے مدیر صاحب کا اداریہ بہتر اور بچوں کو عزم و حوصلہ دینے والا ہے۔ مضامین کے تنوع نے اس رسالے کو ایک انفرادیت بخشی ہے۔ قوت فیصلہ (نوشاد بیگم)، حسد (ابن سراج قاسمی) اور تعلیم و تربیت اور بچوں کی نفسیات (عبدالرحمٰن شافی) تینوں ہی مضامین لائقِ اعتنا اور قابلِ قدر ہیں۔ نظموں میں 'بچپن' (اشتیاق احمد راوف) اور 'بات' شاد اعظمی کی سادے انداز میں بہت اچھی ہے۔ کہانیوں میں سب سے شاندار حلیمہ فردوس کی 'اردو زبان کا جادو' ہے۔ پڑھ کر مزہ آگیا۔ محمد الیاس کی 'مولانا آزاد کی کہانی' بھی بچوں کو تحریک دینے والی ہے۔ سائنس نامہ کے تحت احرار حسین کا مضمون 'ہرگوبند کھرانہ' قابلِ تعریف ہے۔ اس طرح کے مضمون سے بچوں میں سائنسی فکر پروان چڑھے گی اور انھیں کچھ بڑا کرنے اور بڑا بننے کا جذبہ ملے گا۔ واقفیت نامہ میں سائنسی و تاریخی سوال و جواب پر مشتمل سیریز بہت خوب ہے۔ اس سے بچوں کی معلومات عامہ میں اضافہ ہوگا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی ننھے فنکاروں کی فنکاریاں دیکھ کر دل بہت شاد ہوا۔ باقی نئے مدیر صاحب کا دل سے استقبال اور قلم کاروں کا شکریہ!

انور حسین گورکھپوری، جوہر قاسمی لائبریری، چلما پور گورکھپور اتر پردیش

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' نومبر 2023 بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ سرورق انتہائی دیدہ زیب اور دلکش ہے، اداریہ معلوماتی اور قابل قدر رہے، متنوع مضامین سادہ اور سلیس انداز میں لکھے ہوئے ہیں۔ انھیں پڑھ کر دلی مسرت ہوئی، شروع میں بچوں کو اپنے اندر قوت ارادی سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے، کہ چلنا ہے چل پڑو نکل آئیں گے راستے اور حسد جیسی مہلک بیماری کے نقصانات بھی واضح کیے ہیں، کہ اس نے کامیاب انسان کو بھی خاک میں ملا دیا، ساتھ ہی 'تعلیم و تربیت اور بچوں کی نفسیات' قیمتی اور گراں قدر مضمون ہے، مولانا آزاد کی کہانی میں ان کی حیات کے تمام پہلوؤں کو اس خوبصورتی کے ساتھ بچوں کے ذہن نشیں کیا گیا ہے کہ اب میں نے عزم مصمم کرلیا کہ گھر کے سب بچوں کو یہ رسالہ پڑھنے کا مشورہ دوں گا، بچوں کی نفسیات اور ان کی فکر و فہم کی مناسبت سے اس کے انتخابات لاجواب ہیں، یہ رسالہ تاریخی، علمی، ادبی، لسانی، اخلاقی اور سائنسی معلومات کا گراں قدر شاہکار ہے، اور اس میں بچوں کے تحقیقی ذوق کی تسکین کا پورا سامان موجود ہے۔ بقول ڈپٹی نذیر احمد

کہ نایاب موتی ہیں اس کے مضامین

اگلے شمارے کا شدت سے انتظار ہے۔

غالب شمس قاسمی، نظر احمد آباد، دربھنگہ بہار

قومی اردو کونسل نے رسالہ 'بچوں کی دنیا' نکال کر بچوں کے لیے نہایت اہم تحفہ پیش کیا ہے۔ یہ رسالہ ادب اطفال میں خوشگوار اضافہ ہے۔

اس وقت اکتوبر 2023 کا رسالہ پیش نظر ہے۔ رسالے کے تمام مشمولات قابل تعریف ہیں۔ ارشد میناگری کی نظم

عزیزیہ رحمانی ایجو اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن بہ اشتراک ویل بینگ ٹرسٹ نئی دہلی کے زیر اہتمام یوم تعلیم کے موقعے پر ہلہ ہاؤس، نئی دہلی میں بچوں کے درمیان ہندوستان کا معروف و مشہور رسالہ 'بچوں کی دنیا' تقسیم کیا گیا

'چاند پہ اترا ہندوستان' اچھی لگی۔ ارشد صاحب بچوں کے لیے کافی عرصے سے اور مسلسل لکھ رہے ہیں۔ ان کی کاوشیں ادب اطفال میں لعل و گہر سے کم نہیں۔ جناب نایاب حسن کا مضمون 'چندریان مشن کی کامیابی' بہت عمدہ اور معلوماتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف رامپوری کا مضمون اس رسالے کا بے حد اہم مضمون ہے۔ وقت کی اہمیت پر انھوں نے نہایت سلیس اور آسان زبان میں مضمون قلمبند کیا ہے۔ کہنہ مشق شاعر حافظ کرناٹکی کی نظم پسند آئی۔ رسالے کی دیگر نظمیں بھی قابل مطالعہ ہیں۔ ممتاز انور صاحب کا انٹرویو پڑھا۔ جی خوش ہوگیا۔ بہت پرلطف اور بچوں کے لیے حوصلہ افزا ہے۔ ننھا استاد بھی اچھی کہانی ہے۔ کہانی میں بچوں کی عمدہ نصیحتیں موجود ہیں۔ عزیزم محبوب کو تو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ بہت عمدہ کہانی لکھی ہے۔ میرے ناقص خیال میں کہانی کا عنوان 'مغرور تتلی' یا 'تکبر کا انجام' ہوتا تو شاید زیادہ بہتر ہوتا۔ اکبر خاں اشک کا مضمون 'شمسی توانائی کی اہمیت' سائنس کے موضوع پر قابل مطالعہ ہے۔ سولر انرجی کا استعمال اس وقت بہت ہو رہا ہے۔ ننھے فنکار کے کالم سے بچوں کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

ڈاکٹر جاوید عبدالعزیز، سرسید مشن اسکول، شاہین باغ، نئی دہلی 25

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' نومبر 2023 کا شمارہ وقت پر موصول ہوا۔ سرورق پر حروف تہجی کی تصویر دیکھ کر بچپن کی پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ یہ رسالہ ہمیں بہت پسند ہے، میں تقریباً ایک سال سے لگاتار پڑھ رہی ہوں، اس کے پڑھنے سے ہمارے الفاظ کے خزانوں میں اضافہ ہوتا ہے، نومبر کے شمارے میں آپ نے میری پینٹنگ شائع کر کے میرے حوصلوں میں چار چاند لگا دیا۔ ہمارے اسکول کی وہ سبھی طالبات جن کی پینٹنگ چھپتی ہیں ان کو اسکول اور ساتذۂ کرام کی طرف سے کلر باکس اور قلم دے کر حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، نظم کے حصے میں کوثر صدیقی کی 'میرے بچو!' عطا عابدی کی 'اسکول میں' علیم طاہر کی 'تتلی اور بچہ' جاوید رانا کی 'رنگ برنگے جوتے چپل' غرض کہ سبھی نظمیں بہت پسند آئیں۔ مضامین کا حصہ بھی بہت اچھا لگا، بالخصوص 'آفتاب حسنین کی 'جادوئی چراغ' اس میں لالچ کے نقصان کو بہت اچھے ڈھنگ سے بتایا گیا ہے، لالچ میں پڑ کر انسان اپنے کیے پر پچھتاتا ہے۔ 'حسد ایک مہلک بیماری' اور خاں حسین عاقب کی 'انوکھے دوست' کتاب ہی انسان کی سچی دوست ہوتی ہے۔ سبھی مضامین اور دیگر تخلیقات بہت دلچسپ اور قابلِ تعریف ہیں۔ اس ماہ سے 'بچوں کی دنیا' دہلی کے مدیر تبدیل ہونے پر 'پروفیسر دھننجے سنگھ' کو مبارکباد پیش کرتی ہوں اور آپ سے امید کرتی ہوں کہ اس رسالے کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کریں گے۔

عائشہ فردوس محمد عادل، درجہ دوازدہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سکنڈری اسکول، جریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

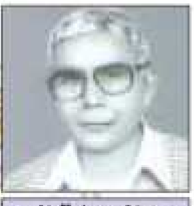

عظیم اقبال

قائدانہ اوصاف: شناخت اور فروغ

ایک واقعہ: اپنے بیتے دنوں کو کھنگالتے ہوئے سب سے پہلے یونیورسٹی کیمپس (مظفر پور) کی یاد آتی ہے۔ یہ یاد خصوصی طور پر ایک کل ہند مشاعرے (1944) سے وابستہ ہے۔ مشاعرے میں دور دراز سے نامور شاعر بلائے گئے تھے۔ تقریب کا انعقاد ایل ایس کالج کے ایک بڑے ہال میں ہو رہا تھا۔ سامعین میں طلبا کی بڑی تعداد جمع ہوئی تھی۔ افتتاحی تقریب کے دوران ہی شور نے مدھم سے تیز صورت اختیار کر لی تھی۔ منتظمین کی کوششیں اور گذارشیں بے اثر تھیں۔ کوئی سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ مشاعرہ کب اور کیسے شروع ہوگا۔ اکابرین الجھن میں تھے۔ یہاں تک کہ ہال سے لوگ باہر بھی نکلنے لگے تھے۔ مشاعرے کی ناکامی اور اس سے ہونے والی بدنامی کی فکر دامن گیر تھی۔

ایک موڑ: اسی درمیان میں اپنی جگہ سے سرعت سے اٹھا اور بڑھ کر میں نے مائک تھام لیا۔ ڈھیروں نگاہیں میری جانب اٹھیں۔ میں نے کہا—

''دوستو! شور مچائیے... لیکن پہلے تھوڑا چپ ہو کر میری بات بھی سن لیجیے۔ آج ہمارے گھر سارے ہندوستان سے مہمان آئے ہیں! جب وہ واپس جائیں تو کیا یہی شور اور اس کی گونج اپنے ساتھ لے جائیں؟ کیا آپ یہ چاہیں گے؟ انھیں یہاں کی اچھی یادیں لے جانے دیجیے۔ مشاعرہ شروع ہونے دیجیے۔ شاعروں کو سنیے۔ انھیں داد دیجیے۔ لیکن سب کچھ یوں کیجیے کہ لوگ اپنے ساتھ اچھی یادیں لے جائیں۔ ذرا چپ ہو کر دیکھیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی یہ اچھا لگے گا!''

ان چند جملوں نے جادو کا کام کیا۔ شور سے سرگوشی کی ابتدا ہوئی اور پھر ہر سو خاموشی چھا گئی۔ ایسی خاموشی کہ اپنی سانس تک نہ سنائی دے! پلک جھپکتے ماحول کا رنگ بدل گیا۔ مشاعرہ شروع ہوا۔ بخوبی چلا اور کامیابی سے اختتام پذیر ہوا۔ ہر طرف سے مبارکباد کی صدا آنے لگی۔

بعد میں احباب کے علاوہ اساتذہ اور انتظام کاروں نے میرے اقدام کو بے حد سراہا۔ اس واقعے نے مجھے کئی دوست دیے۔ اس وقت میں نے جو کچھ کیا، اس کے لیے کسی نے کہا نہیں تھا۔ ماحول کی ضرورت سے میرے اندر ایک جذبہ پیدا ہوگیا تھا۔ بعد میں جو کچھ ہوا اسی کے زیر اثر ہوا۔ یہ تحریک قائدانہ وصف کی غماز کہی جائے گی۔ یہاں میری حاضر دماغی بہت کام آئی۔

شاباشی: آپ کی زندگی میں کئی ایسے مواقع آتے ہیں، جب کسی انتظار کے بغیر آگے بڑھ کر وقت کے تقاضے کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ جذبہ شاباشی کے حصول کا وسیلہ نہیں ہے، لیکن موقع کے مطابق آپ کے معقول رویے سے شاباشی ضرور ملے گی۔ ساتھ ہی وقت کے دھارے کو بدلنے کے لیے آپ کی تعریف ہوگی! قیادت صحیح ہو اور وقت پر ہو تو نتائج حسب خواہ ہوتے ہیں۔

قائدانہ وصف: یوں تو متذکرہ واقعے میں اس گھڑی میرا جو کردار رہا، اس کردار کو نبھانے کا جذبہ اگر سارے لوگوں میں نہیں تو کم سے کم کچھ لوگوں میں یقیناً پیدا ہوا ہوگا، لیکن پہل صرف میں نے کی۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہاں صرف میں قائدانہ وصف سے سرفراز فرد تھا! یاد رکھیے، کسی خاص وقت میں قیادت صرف ایک فرد کی ہی ہوتی ہے۔

کوشش: یوں تو یہ وصف کم و بیش سب میں ہوتا ہے، لیکن اقدام میں پس و پیش سے بیشتر لوگ خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس جذبے کے فروغ کے لیے مناسب کوشش ہونی چاہیے۔ ایک دن میں یہ پیدا ہوتا ہے، نہ فروغ پاتا ہے!

مثال: آپ کے دروازے پر کسی نے گھنٹی بجائی، یا دستک دی، یا محض پکار لگائی۔ اس کے جواب کے لیے وہاں موجود جس کسی نے بھی پہل کی، اس میں قائدانہ جذبہ ہے۔ قائد سب نہیں ہوتے ہیں، جو ہوتے ہیں، ان کے اقدام سے ظاہر ہو جاتا ہے! قیادت کی بیتابی چھپی نہیں رہتی!

رکاوٹ: اس جذبے کی عمل آوری میں سب سے بڑی رکاوٹ جھجک ہے۔ اس لیے اسے دفع کرنا ضروری ہے۔ یہ جھجک بے جا

شرم وحیا کا نتیجہ ہوسکتی ہے۔ اس کی نشاندہی کرنے اور اسے ختم کرنے کی صلاح ہے۔ گھر کے علاوہ تعلیم گاہوں میں بھی اس سمت توجہ لازمی ہے، تاکہ شخصیت سازی میں مدد ملے! ابتدا میں قیادت کی تحریک اندرون کی بہ نسبت بیرون سے زیادہ ملتی ہے!

حاضر دماغی: کسی خاص صورتِ حال میں غائب دماغی کے بجائے حاضر دماغ کام آتی ہے۔ وقت کی مناسبت سے اشارے ملتے ہیں۔ یہ اشارے بتاتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ تیر نشانے پر لگے اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کا اعتماد حاصل کیا جائے۔

قوت فیصلہ: قائدانہ وصف سے معمور شخص میں قوتِ فیصلہ ہوتی ہے۔ وقت کے تقاضے کے لحاظ سے فوری فیصلہ ضروری ہے۔ عمل کے متعلق صرف سوچ کافی نہیں ہے۔ بروقت مناسب عمل نہیں ہوا تو اس کی حیثیت ویسی ہی ہوگی جیسے مریض کی موت واقع ہوجائے تب ڈاکٹر طلب کرنے کی جستجو کی جائے۔

خامی: ممکن ہے فیصلے میں خامی ہو، لیکن اس کے متعلق زیادہ سوچنے سے فیصلہ بروقت نہیں ہو پائے گا۔ قوتِ فیصلہ سے متصف آدمی اپنی ناکامی کو بھی کامیابی میں بدلنے کی جسارت کرسکتا ہے۔ ناکامی کا خوف ایک کمزور شخصیت کی پہچان ہے۔ کردار سازی میں اس کی نفی کو یقینی بنائیے۔

اندیشوں سے علیحدگی: کہتے ہیں ''جست لگانے سے پہلے سوچ لو۔''

ایسا کرنے سے اندیشے بڑھ جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ جست سے ہی باز آجائیں۔

اقبال کے اس شعر کو ذہن میں رکھیے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

حالانکہ شعر تلمیحاتی ہے، پھر بھی اس کی معنویت برقرار ہے۔ پیش کردہ جذبے سے قائدانہ خوبی کی افزائش ہوتی ہے۔

خطرات: بے شک، قائدانہ خوبی والا آدمی کبھی کبھی خطرات سے دوچار ہوجاتا ہے۔ پھر بھی وہ اقدام سے باز نہیں آتا۔ اس کا جذبہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی بہ نسبت آگے دیکھنے اور بڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ یہاں یہ کہنا درست ہے کہ وہ دماغ سے زیادہ دل سے کام لیتا ہے۔

مواقع: قائدانہ جوہر کے منظرِعام پر آنے کے مواقع گھر سے باہر تک ملتے رہتے ہیں۔ کوئی انہونی ہوجائے، کسی حادثے کی نوبت آجائے یا کچھ امید کے برخلاف ہوجائے تو ایسے سارے مرحلے آپ کے قائدانہ وصف کو بروئے کار لانے کا موقع دیتے ہیں۔ ویسے، صورت حال کی نوعیت بدلے گی تو عمل کا پیرایہ بھی بدل جائے گا۔ وقت کی مناسبت سے خود کو تیار رکھنے کا مشورہ ہے۔

اختتامیہ: عزیز دوستو! گھر ہو یا باہر، آپ کی قائدانہ صلاحیت ہر جگہ کام آئے گی۔ یہ صلاحیت نہ صرف آپ کو قائد ہونے کا اہل بنائے گی بلکہ اس سے دوسرے بھی استفادہ کریں گے۔ جب بھی اس صلاحیت کے مظاہرے کا موقع ملے، اسے نہ گنوائیں۔ یہ انتظار نہ کریں کہ یہ کام آپ ہی کیوں کریں، کوئی دوسرا کیوں نہ کرے! آپ کی سوچ اگر ایسی ہو تو، اسے فوراً درکنار کریں۔ اندیشوں میں الجھ کر وقت گنوائے بغیر بروقت فیصلہ کریں، تاکہ معاملہ قابو میں آجائے۔

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj-1,Bettiah- 845439
Mob.: 9006502649

بچوں کی تربیت

مظفر اسلام

بچوں کی تربیت ایک بہت ہی اہم ذمے داری ہے، والدین پر بچوں کے جتنے بھی حقوق لازم ہیں ان میں سب سے پہلا اور بنیادی حق بچوں کی تربیت ہے، ایک انسان پر بحیثیت ماں باپ کے جو سب سے بڑی ذمے داری عائد ہوتی ہے وہ ہے بچوں کی صحیح تربیت، موجودہ حالات میں نئی نسل کی تربیت کا مسئلہ ایک بہت ہی حساس مسئلہ ہے۔ آج اخلاق وکردار کو بگاڑنے والے عناصر واسباب جتنی بڑی تعداد میں عام ہیں اس سے پہلے نہیں تھے، آج کا دور جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے، میڈیا سوشل میڈیا اور سائنس کا دور ہے، ایجادات واختراعات کی بہتات ہے، جن سے عوام کو گرچہ بہت سے فوائد حاصل ہیں لیکن نئی نسل کو ان کے مضر اثرات سے بچانا بہت دشوار ہورہا ہے، جب سے موبائل کا رواج ہوا ہے تب سے بچوں کی تربیت کا مسئلہ ایک نہایت سنگین اور نازک ترین مسئلہ بن گیا ہے۔ لہٰذا عصر حاضر میں بچوں کی تربیت کا مکمل دارومدار والدین کی نگرانی اور گھر کے ماحول کو پاکیزہ بنانے پر منحصر ہے، خاص کر ماں کی ذمے داری زیادہ ہے اس لیے کہ بچوں کا زیادہ وقت ماں کے ساتھ گزرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو سب سے پہلی درس گاہ کہا جاتا ہے۔

بچے خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں ایک خدائی تحفہ ہیں، ایک بہت عظیم نعمت ہیں، بچوں ہی کے وجود سے گھروں میں چہل پہل اور رونق رہتی ہے، ان ہی کے دم قدم سے ماں باپ کی تمام خوشیاں جڑی ہوتی ہیں، لبوں پر مسکراہٹ، چہرے کی چمک دمک، دلوں میں آرزوئیں اور امنگیں انہی بچوں کی بدولت پیدا ہوتی ہیں، زندگی کی رونق و بہار انہی سے وابستہ ہوتی ہیں، اس حقیقت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جن کے گھروں میں بچے نہیں ہوتے وہ ماں باپ ان نعمتوں کے لیے ترستے اور تڑپتے ہیں، اولاد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سب سے قیمتی نعمت ہے، سورۃ شوریٰ کی ایک آیت کا مفہوم ہے: ’’آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا

ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا جسے چاہتا ہے بیٹے اور بیٹیاں دونوں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے۔''

لہٰذا جب معلوم ہوگیا کہ اولاد ایک بیش بہا دولت ہے، ایک بہت قیمتی شے ہے تو اب اس کی حفاظت اور نگہبانی کی سخت ضرورت ہے۔ ماں باپ کا فرض ہے کہ اولاد کے مستقبل کو تابناک بنانے کی فکر کریں، لیکن یہ فکر صرف دنیا کی حد تک نہ ہو بلکہ آخرت کی بھی فکر ہونی چاہیے۔ آج کل والدین کی صورت حال یہ ہے کہ بچوں کے متعلق صرف یہی فکر رہتی ہے کہ وہ کیا کھائیں گے، کیا پہنیں گے، کہاں رہیں گے، یعنی صرف دنیاوی عیش و آرام کی فکر ہے حالانکہ اس سے زیادہ ان کے عقیدے کی پختگی اور عمل کی درستگی کی فکر ہونی چاہیے، ان کا دستور زندگی کیسا اور مقصد حیات کیا ہے؟ اس کی فکر ہونی چاہیے، اولاد کی تربیت کے سلسلے میں اصل فکر یہ ہونی چاہیے کہ وہ دین دار اور امانت دار ہوں، اچھے اخلاق و کردار سے آراستہ ہوں، اعلی تعلیم اور صالح تربیت سے مزین ہوں، دونوں جہاں کی بھلائی اور سرخروئی والے کام کرنے والے ہوں۔ بچوں کے مستقبل کے متعلق بہت پہلے سے سوچنے کی ضرورت ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ اولاد کا اپنے باپ پر کیا حق ہے؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ ''اس کی ماں کا بہتر انتخاب کرے، اس کا اچھا نام رکھے اور اسے قرآن کی تعلیم دے۔'' ان چیزوں پر توجہ دینے کی بہت ضرورت ہے، آج کل ان چیزوں پر لوگ توجہ ہی نہیں دیتے، موجودہ خرابیوں میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ رفیق حیات کے انتخاب میں اس کا بالکل لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ خاتون نیک اور دین دار ہے کہ نہیں۔ حالانکہ نیک صالح اولاد کے لیے سب سے پہلے اچھی سیرت والی بیوی کا انتخاب ایک لازمی امر ہے۔

ماں باپ کو بچپن ہی سے تربیت کی فکر کرنی چاہیے نہ کہ بچے کے بڑے ہونے کا انتظار کرنا چاہیے، بچپن میں والدین جس رخ پر لے جانا چاہیں آسانی سے لے جاسکتے ہیں، اس لیے کہ ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' اس حدیث کے مطابق ہر بچہ فطرت سلیم پر پیدا ہوتا ہے، پھر والدین کا مزاج و مذاق، گھر کا ماحول، بچے کے آس پاس رہنے والوں کا رہن سہن، طور طریق ہی اسے اچھی یا بری راہ پر ڈالتا ہے، لہٰذا تربیت کے سلسلے میں ایک اہم چیز یہ ہے کہ بچوں کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی تربیت کی جائے، بچپن میں چونکہ دلوں کی تختی بالکل سادہ اور صاف ہوتی ہے اس پر جو نقش کر دیا جائے بآسانی نقش ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بچپن میں جیسا ماحول اور جیسی صحبت ملتی ہے ویسے ہی اثرات، عادات و اطوار بچے میں آتے ہیں اور پھر آئندہ اسی کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، لہٰذا بچپن میں اچھے ماحول اور اچھی صحبت میں رکھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ آئندہ کی زندگی صحیح نہج پر قائم ہوسکے۔ بچے چونکہ غیر محسوس طور پر صرف دیکھ اور سن کر تمام چیزوں کو اختیار کرتے ہیں اس لیے گھر میں ہوں یا باہر ان کے سامنے بری باتوں اور نامناسب حرکات و سکنات سے گریز کرنا چاہیے، ان کے سامنے گفتگو میں متانت و سنجیدگی، صداقت و امانت کا مظاہرہ کرنا چاہیے، تاکہ وہ ان ہی صفات کو اپنائیں، اور اعلی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

بچے کی پیدائش کے دن ہی سے مذکورہ تمام چیزوں کو اچھا اور پاکیزہ بنا کر رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوزائیدہ کے متعلق اسلام کی اولین تعلیم یہ ہے کہ بچے کی جب ولادت ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے، کہ اس طرح بچے کے ذہن و دماغ میں اذان و اقامت کے کلمات کے ساتھ اللہ کی کبریائی و توحید، اور رسولؐ کی رسالت وصداقت کی بنیاد پڑے تاکہ

آئندہ کی زندگی میں عقیدہ وعمل میں کوئی فساد نہ آنے پائے۔ پھر اس کا اچھا سا نام رکھا جائے، اولاد کا اچھا نام رکھنا بہت اہم ہے، آج ایک فیشن بنتا جا رہا ہے کہ نام ایک دم نیا اور الگ سا ہونا چاہیے، پھر چاہے وہ معنی ومفہوم اور مناسبت کے اعتبار سے کتنا ہی خراب اور بھدا کیوں نہ ہو؟ حالانکہ ایسے ویسے نام کے برے اثرات بچے کے ذہن ودماغ اور اس کے مزاج پر مرتب ہوتے ہیں، اس لیے اچھا نام رکھنا بہت ضروری ہے۔ بچے کا عقیقہ کیا جائے، تاکہ اس کی جان آفات ومصائب سے محفوظ ہو جائے۔ پھر بچے کی تعلیم کی فکر سب سے زیادہ ضروری ہے، تعلیم سے کسے انکار ہو سکتا ہے، لیکن تعلیم دینی ہو یا دنیاوی؟ سرسری ہو یا معیاری؟ اسلامی ماحول وتربیت کے ساتھ ہو یا غیر اسلامی مخلوط نظام تعلیم میں ہو؟ تعلیم سے اچھی تربیت مل رہی ہے یا بری؟ تعلیم کے کیا اثرات ونتائج ظاہر ہو رہے ہیں؟ ان باتوں پر توجہ نہیں ہوتی، حالانکہ بچوں کی تربیت کے لیے ان پر نظر رکھنا سب سے اہم بنیاد ہے، لہٰذا بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے اچھے سے اچھا انتظام کیا جائے، تعلیم کی عمر کو پہنچنے پر سب سے پہلے دینی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اخلاقی تعلیمات کا بھی انتظام کیا جائے، تاکہ وہ اپنے ساتھ دوسروں کے حق میں بھی خیر کا باعث ہوں، چنانچہ چھوٹے ہی سے تمام اخلاقی صفات سے متصف کرائیں، بچوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم ضرور دی جائے، اس لیے کہ اعلی اخلاق اور پاکیزہ صفات کے بغیر تربیت ادھوری ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کو پاکیزہ ماحول میں رکھا جائے، دینی مزاج رکھنے والے افراد کی صحبت میں رکھا جائے۔ پھر حسب ضرورت عصری تعلیم کا انتظام کیا جائے کیونکہ تعلیم ہی آگے کے تمام مراحل کے لیے بنیاد ہے۔ بڑی ضروری بات یہ ہے کہ حلال غذا فراہم کی جائے اس لیے کہ حرام غذا سے پاکیزہ فطرت، نیک مزاج اور صاف وشفاف

ذہن ودماغ کا وجود پانا ناممکن ہے۔

آج کے ماحول میں بچوں کو محبت وشفقت سے تربیت دینے کی ضرورت ہے، محبت ونرمی سے جو تربیت ہو سکتی ہے وہ سختی اور ڈانٹ سے نہیں ہو سکتی۔ لیکن غلطی پر سرزنش اور گرفت بھی تربیت کا اہم جز ہے، لہٰذا اس سلسلے میں ایک اصولی بات یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اعتدال وتوازن سے کام لیا جائے، یعنی نہ ہی چھوٹا سمجھ کر ہر چیز کی آزادی دے دی جائے، کسی چیز سے روکا ٹوکا نہ جائے، کسی غلطی پر ڈانٹا ڈپٹا نہ جائے، کہ ایسا کرنے سے ان کے اندر من مانی اور ضد بڑھتی جائے گی، دوسری طرف ایسا بھی نہ ہو کہ انھیں جائز تفریح اور کھیل کود سے روکا جائے، بات بات پر ڈانٹا جائے، معمولی سی غلطی پر بھی سرزنش کی جائے، ایسا کرنے سے بچے کے اندر مایوسی اور جھنجھلاہٹ پیدا ہوگی جو کہ آئندہ بہت ہی نقصان دہ ثابت ہوگی، لہٰذا تربیت میں اعتدال وتوازن برتنا بے حد ضروری ہے کہ نہ مکمل آزادی اور اختیار دے دیا جائے اور نہ ہی پوری طرح قید وبند میں رکھا جائے۔ اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کی جائے، لیکن اگر بچہ ذہنی طور پر کمزور ہو تو دوسروں سے ہرگز موازنہ نہ کیا جائے، ورنہ بچہ احساس کم تری کا شکار ہو جائے گا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بچے انمول موتی کی طرح ہوتے ہیں اگر انھیں قرینے سے تراشا جائے تو وہ ہیرا بن جاتے ہیں، اور اگر انھیں بغیر تعلیم و تربیت کے چھوڑ دیا گیا، یا موجودہ ماحول کے تھپیڑوں کے حوالے کر دیا گیا تو پھر وہ لوگوں کی ٹھوکر کھانے والے بے مایہ پتھر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

آج کا عالم یہ ہے کہ ماں زندگی کی راحت وآسائش سے لطف اندوز ہونے میں اور باپ مال ودولت کے انبار لگانے میں خود ہی اتنا زیادہ مصروف رہتے ہیں کہ بچوں کو اتنا وقت بھی نہیں دے پاتے جتنا ان کی تربیت کے لیے ضروری ہے، بلکہ خود والدین ہی بچوں کو سوشل میڈیا اور موبائل کے حوالے کر دیتے ہیں، مائیں بچے کو کھانا کھلانے کے لیے، رونے لگا تو چپ کرانے کے لیے اور مختلف کاموں کے لیے موبائل اور کارٹون کا سہارا لیتی ہیں، حد یہ ہے کہ پڑھانے اور ہوم ورک کرانے کے لیے موبائل وغیرہ کا لالچ دیا جاتا ہے، باپ اس طور پر کہ بچہ جہاں تھوڑا بڑا ہوا لا کر موبائل گفٹ کر دیا، پھر لاپرواہی اور غفلت کی انتہا یہ ہے کہ بچوں کی حرکات و سکنات پر نظر نہیں رکھتے، کہ بچہ موبائل میں کیا دیکھ رہا ہے، میڈیا اور سوشل میڈیا میں کیا کرتا ہے؟ کن سے بات چیت اور دوستی کرتا ہے؟ کس طرح کی سائٹس اور چینل زیادہ استعمال کرتا ہے؟ غرض یہ کہ ماں باپ بالکل نہیں دیکھتے کہ بچے (لڑکا ہو یا لڑکی) اس جدید ٹیکنالوجی کا صحیح استعمال کر رہے ہیں یا غلط، حالانکہ یہ بالکل غلط طریقہ ہے اور نئی نسل کے مستقبل کے لیے انتہائی نقصان دہ اور سم قاتل ہے۔

لہٰذا بچوں کی تربیت کے لیے بنیادی بات یہ ہے کہ اس جدید ٹیکنالوجی کا بقدر ضرورت مکمل نگرانی کے ساتھ صحیح استعمال ہو، تاکہ وہ دور جدید کی ایجادات واختراعات کے مفاسد سے بچتے ہوئے جدید ٹیکنالوجی سے بھرپور فائدہ اٹھائیں اور عصر حاضر کے شانہ بہ شانہ چل سکیں، کامیابی وکامرانی کی منزلیں طے کر سکیں۔

■

Dr. Mozaffar Islam
Asst. Professor Education
MANUU College Of Teacher
Education Laheria Sarai
Darbhanga -846002, (Bihar)
mislam1manuu@gmail.com
Mob: 8930151447

مسلم نوبل انعام یافتگان

امتیاز احمد انصاری

پیارے بچو ! کیا آپ جانتے ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا اور باوقار انعام کون سا ہے...؟ جی ہاں... بالکل ٹھیک... یہ نوبل انعام ہے۔ آیئے آج اسی نوبل انعام کے سلسلے سے آپ کی معلومات میں کچھ اضافہ کرتا چلوں۔ نوبل انعام کا موجد الفریڈ نوبل ہے۔ وہی الفریڈ نوبل جو ایک ماہر کیمیا اور ایک انجینئر تھا اور ڈائنامائٹ سمیت 300 سے زائد ایجادات کا سہرا جس کے سر جاتا ہے۔ سویڈن میں پیدا ہونے والے اس مشہور و معروف سائنسداں نے اپنی اُن ایجادات سے بڑی دولت کمائی تھی۔ موت سے قبل انہوں نے وصیت کی تھی کہ میری دولت ہر سال ایسے افراد یا ادارے کو انعام کے طور پر دی جائے جنھوں نے کیمیا (کیمسٹری)، طبیعات (فزکس)، طب (میڈیسن)، امن (پیس) اور ادب (لٹریچر) میں نمایاں کارنامہ انجام دیا ہو۔ بعد میں اس فہرست میں اقتصادیات کو (اکونومکس) بھی شامل کر دیا گیا۔ نوبل انعام کے لیے 5 افراد کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس کا انتخاب ناروے کی پارلیامنٹ کرتی ہے۔ اسی کمیٹی کی شفارش پر ہر سال دنیا بھر سے چنندہ افراد جنھوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے ہوں جس سے پوری انسانیت فیضیاب ہو، انھیں نوبل انعام سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ نوبل انعام ایک گولڈ میڈل، سند اور ایک خاص رقم پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔

نوبل انعام کی شروعات 1901 سے ہوئی۔ نوبل انعام کی تاریخ میں اب تک اس باوقار انعام حاصل کرنے والوں

میں 13 مسلمانوں کے نام بھی شامل ہیں جن میں مصر کے چار، ترکی کے دو، پاکستان کے دو جبکہ ایران، یمن، فلسطین، تنزانیہ اور بنگلہ دیش کی ایک ایک معتبر شخصیات شامل ہیں۔ مصری صدر انور سادات نوبل انعام پانے والے پہلے مسلم ہیں جبکہ پاکستان کی ملالہ یوسف زئی نوبل انعام حاصل کرنے والی اب تک کی سب سے کم عمر خاتون ہیں۔ آیئے ان 13 مسلم نوبل انعام یافتگان پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

انور سادات: مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام کی کوششوں میں

بھرپور کردار ادا کرنے والے مصری صدر اور ملٹری آفیسر انور سادات کو 1978 میں امن کے نوبل انعام سے سرفراز کیا گیا۔ نوبل انعام پانے والے پہلے مسلم رہنما انور سادات وہ پہلے عرب لیڈر بھی تھے جنھوں نے سرکاری طور پر ملک اسرائیل کا دورہ کیا تھا۔ انھوں نے سب سے پہلے مصر اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدے پر دستخط بھی کیا جس میں ثالث کے طور پر امریکی صدر جمی کارٹر موجود تھے۔

ڈاکٹر عبدالسلام: پاکستان سے تعلق رکھنے والے پہلے مسلم

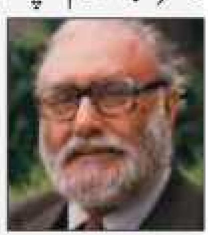

سائنسداں ڈاکٹر عبدالسلام کو 1979 میں طبیعات یعنی فزکس میں کارہائے نمایاں انجام دینے پر نوبل انعام پیش کیا گیا۔ دیگر بہت ساری دریافت میں الیکٹرو ویک تھیوری ان کی سب سے اہم دریافت ہے۔ پاکستان ایٹومک انرجی کمیشن سے وابستہ ہوکر ڈاکٹر عبدالسلام نے پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف نیوکلیر سائنس اینڈ ٹکنالوجی کی بنیاد رکھی تھی۔

نجیب محفوظ: نوبل انعام یافتگان میں مصر کے دوسرے اور ادب

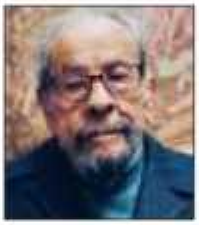

کے میدان میں پہلے مصری مصنف نجیب محفوظ کو 1988 میں ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔ انھیں یہ انعام جدید عربی ادب پر ان کے بے مثال کارناموں کے عوض عطا کیا گیا۔

یاسر عرفات: ایک زمانے تک عالمی سیاست میں اپنی مضبوط

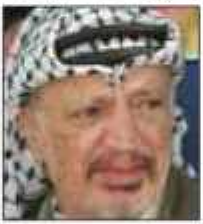

شناخت رکھنے والے فلسطینی رہنما یاسر عرفات کی پوری زندگی امن کے پیغام کو عام کرنے میں گذری۔ مشرق وسطیٰ میں امن کے قیام کے لیے بھرپور جدوجہد کرنے کے عوض 1994 میں انھیں امن کا نوبل انعام عطا کیا گیا۔

احمد زیول: جس طرح فزکس میں نوبل انعام پانے والے پہلے

مسلم سائنسداں ڈاکٹر عبدالسلام تھے اسی طرح کیمسٹری میں پہلے نوبل یافتہ مسلم سائنسداں احمد زیول تھے۔ مصری نژاد امریکی سائنسداں احمد زیول کو کیمسٹری کے شعبے میں زبردست کارنامہ انجام دینے پر 1999 میں نوبل انعام دیا گیا۔

شیریں عبادی: نوبل انعام پانے والی پہلی مسلم خاتون کے طور

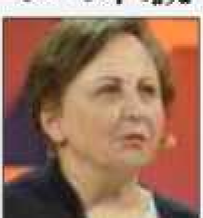

پر شیریں عبادی نے اپنا نام تاریخ کے صفحات پر درج کرالیا ہے۔ ملک ایران سے تعلق رکھنے والی شیریں عبادی مشہور و معروف انسانی حقوق کارکن ہیں۔ انسانی حقوق اور خصوصی طور پر عورتوں اور بچوں کے حقوق کے لیے زبردست کردار ادا کرنے والی اس حوصلہ

مند خاتون کو 2003 میں امن کا نوبل انعام پیش کیا گیا۔

محمد البرادعی: مصر کے سیاستداں محمد البرادعی کو نیوکلیائی توانائی

کے پر امن استعمال کی کوششوں کے عوض 2005 میں امن کا نوبل انعام عطا کیا گیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ نیوکلیائی توانائی کا فوجی مقصد کے لیے استعمال کرنے میں رکاوٹ پیدا کرنا تھا۔

محمد یونس: بنگلہ دیش کے ماہر اقتصادیات محمد یونس گرامین بینک

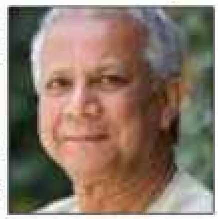

کے قیام کی بنا پر پوری دنیا میں احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ دنیا انھیں گرامین بینک کے بانی کے طور پر جانتی اور یاد کرتی ہے۔ اپنے اقتصادی نظریات کی بنا پر معیشت اور سماجی ترقی میں بھر پور کردار ادا کرنے پر 2006 میں محمد یونس کو اقتصادیات کے شعبے میں نوبل انعام سے نوازا گیا۔

اورخان ہاموک: ترکی کا معروف ناول نگار اورخان ہاموک وہ

پہلے ترک تھے جنھیں 2006 میں ادب کا نوبل انعام ملا۔ ان کی معرکتہ الآرا کتاب My Name is Red & Snow پوری دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔

توکل کرمان: ملک یمن کے انسانی حقوق کارکن توکل کرمان

عدم تشدد کی وکالت کرنے والوں میں صف اول کے رہنماؤں میں شامل تھے۔ خواتین اور ان کے حقوق کی حفاظت میں بڑا کردار ادا کیا۔ انھی کارناموں کے عوض 2011 میں انھیں امن کے نوبل انعام سے نوازا گیا۔

ملالہ یوسف زئی: پاکستان کی تعلیمی اور امن کارکن ملالہ یوسف

زئی نوبل انعام کی اب تک کی تاریخ میں یہ پروقار انعام پانے والی سب سے کم عمر خاتون ہیں۔ 2014 میں جب ان کی عمر محض 17 سال تھی اس وقت انھیں نوبل انعام سے سرفراز کیا گیا۔ تعلیم نسواں (لڑکیوں کی تعلیم) کی حمایت اور اس تحریک کو آگے بڑھانے کی کوششوں میں طالبان سے لوہا لینے والی ملالہ کو دہشت پسندوں نے جان سے مارنے کی کوشش بھی کی تھی مگر وہ اپنے ارادوں پر ڈٹی رہی۔ کئی بین الاقوامی اداروں نے بھی انھیں ایوارڈ سے نوازا ہے۔

عزیز سانکار: مولیکولر بایولوجی میں انفرادی کارنامہ انجام دینے

والے ترکی کے ماہر کیمیا عزیز سانکار عرف عزیز سنجر کو 2015 میں ان کی سائنسی خدمات کے اعتراف میں نوبل انعام سے سرفراز کیا۔

عبدالرزاق گرنا: ملک تنزانیہ کا مصنف جنھوں نے جدید

افریقی ادب کو پوری دنیا میں متعارف کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انھیں 2021 میں ادب کا نوبل انعام پیش کیا گیا۔ ان کی پوری زندگی نسلی نابرابری کو ختم کرنے اور رفیوجیوں کے حالات بہتر بنانے میں گذر رہی ہے۔

■

Imteyaz Ahmed Ansari
H.No. 24, Railpar, Jahangiri Mohalla
Asansol -713302 (West Bengal)
Mob. : 9749289061

اصلی آدمی نقلی آدمی

فاروق اعظم قاسمی

بچو! ہم سب آدمی ہیں اور آدمی ہمارا نام اس لیے پڑا کہ ہم سب حضرتِ آدم کی اولاد ہیں۔ ایک آدم کی اولاد ہونے کی وجہ سے سارے آدمی آپس میں بھائی بھائی ہوئے۔ آج آپ کو ہم آدمی کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں گے۔ دھیان سے آپ کو پڑھنا اور سمجھنا ہے۔ دنیا میں جس طرح بہت سی چیزیں اصلی ہوتی ہیں اور بہت سی نقلی۔ اسی طرح آدمی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اصلی آدمی اور نقلی آدمی۔ آپ نے کبھی کسی کے ساتھ دہلی کے نیشنل میوزیم کی سیر کی ہے یا کولکاتا کا وکٹوریہ محل دیکھا ہے؟ وہاں بہت سی نقلی چیزیں اور نقلی آدمی موجود ہیں۔ وہ آپ کو آدمی کی طرح لگیں گے مگر وہ آدمی نہیں ہیں۔

اچھا یاد آیا، آپ جب امی ابو کے ساتھ کبھی بازار جاتے ہیں تو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا کہ کپڑوں کی دکانوں میں کچھ آدمی چپ چاپ کھڑے ہوتے ہیں، نہ وہ بولتے ہیں، نہ سانس لیتے اور نہ حرکت کرتے ہیں، انھیں جس طرح کھڑا کر دیا جاتا ہے اسی طرح کھڑے رہتے ہیں، جھکا دیا جاتا ہے تو جھکے ہی رہتے ہیں اور لٹا دیا جائے تو لیٹے ہی رہتے ہیں، کبھی اسے ہم دھوتی کرتے میں اور کبھی کرتے پاجامے اور کبھی کوٹ پتلون میں دیکھتے ہیں، کبھی وہ آدھے کپڑوں میں نظر آتے ہیں اور کبھی پورے کپڑوں میں، کبھی گرمیوں کے کپڑوں میں اور کبھی سردیوں کے لباس میں، کبھی جوتوں کے ساتھ اور کبھی ننگے پاؤں، کبھی سر پہ ٹوپی، پگڑی یا ہیٹ اور کبھی سر کھلا اور آنکھوں پہ چشمہ بھی، انھیں سردیوں میں گرمیوں کے اور گرمیوں میں سردیوں کے کپڑے پہنا دیے جائیں تب بھی بے چارے نہ شکایت کرتے ہیں، نہ ناراض ہوتے ہیں اور نہ روتے اور پریشان ہوتے ہیں، ان کی زندگی میں حرکت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی بس سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ ان کے سر پر چڑیا بیٹھ جائے، پھدکے اور بیٹ بھی کردے تب بھی وہ اسے نہ ہہ کرتے نہ ہٹاتے ہیں، ان پہ مکھی بھن بھنائے، مچھر گانا گائے یا بھڑ چمٹ جائے انھیں کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی بلکہ کتے بھی منہ چاٹ جائیں تب بھی انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انھیں نہ بھوک پیاس لگتی ہے اور نہ گرمی اور سردی کا احساس ہوتا ہے، وہ بھری برسات میں گھنٹوں کھڑے رہ جائیں تب بھی انھیں بخار نہیں ہوتا بلکہ کھانسی زکام بھی نہیں ہوتا، وہ نہ کسی کو سیدھا راستہ بتا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کا راستہ کاٹ سکتے ہیں۔ ان کے سامنے آسمان ٹوٹ پڑے، زلزلہ آجائے، سیلاب آن پڑے یا بم پھٹ جائے تب بھی وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتے، انھیں گالی دی جائے یا لعن طعن کیا جائے یا ان کے سامنے کسی کا قتل ہی ہو جائے تب بھی نہ وہ برا مانتے ہیں، نہ انھیں ڈر لگتا ہے اور نہ ہی افسوس ہوتا ہے۔ وہ ایک دم بے حس و حرکت ہوتے ہیں۔ دنیا انھیں نقلی آدمی کہتی ہے۔

...اور جو اپنی زبان سے بولتا ہو، اپنے دماغ سے سوچتا ہو اور اپنے پاؤں سے چلتا ہو، اپنے ہاتھ سے کام کرتا ہو، جو اپنی مرضی سے کھڑا رہتا اور بیٹھتا ہو، اسے اتنی سمجھ ہو کہ کہاں اسے بیٹھنا ہے اور کہاں جھکنا اور کھڑے رہنا ہے، وہ اپنی پسند کے کپڑے پہنتا ہو، اسے یہ بھی علم ہو کہ سردیوں میں کیا پہننا

ہے اور گرمیوں میں کیا، اسے اپنے پاؤں کی حفاظت کی بھی فکر ہو، اسے سردیوں اور گرمیوں میں سردی اور گرمی لگتی ہو، برسات میں اگر زور سے بجلی کڑکے تو اس کا دل دھک سے ہو جائے یا بارش کے پانی میں زیادہ دیر بھیگتا رہے تو بیمار اور نزلے زکام کا شکار ہو جائے، جوتے چپل پہننے کی ضرورت کو بھی محسوس کرتا ہو، پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو اسے درد ہوتا ہو، اسے بھوک پیاس بھی لگتی ہو، خوشی کے وقت اسے خوشی اور غم کے وقت غم ہوتا ہو، انصاف پر اسے اطمینان اور ظلم پر اسے غصہ آتا ہو، دوسروں کی تکلیف پر اس کا دل دکھتا ہو، کسی حادثے پر اس کے آنسو نکل جاتے ہوں، اس کے سر پر کوئی پرندہ بیٹھ کر بیٹ نہ کرتا ہو، مکھی مچھر اس کے بدن پر بیٹھ جائیں تو اسے الجھن ہوتی ہو، بھڑ چمٹ جائیں تو وہ چیخ پڑے، اس کے آنکھ کان ہوں جن سے وہ دیکھتا اور سنتا ہو، تو سمجھو وہ اصلی آدمی ہے۔

دنیا میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جن کے آنکھ تو ہے مگر دکھتا نہیں، کان بھی ہیں مگر سنائی نہیں دیتا، ناک ہے مگر خوشبو بدبو کا پتہ نہیں چلتا، زبان بھی ہے مگر گنگ، دماغ ہے پر سوچتا نہیں، دل بھی ہے مگر دھڑکتا نہیں۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے آدمی ایسے ہیں جن کے گھر کے چاروں طرف ظلم اور نفرت کی آگ لگی ہوئی ہے، جھوٹ کی جوالا مکھی پھٹی پڑی ہے، نفرت کے شعلے اٹھ رہے ہیں، بچے بھوک سے بلبلا رہے اور پیاس سے مر رہے ہیں، بیمار بنا علاج کے درد سے کراہ رہے ہیں، زخمی دم توڑ رہے ہیں، غریب دانے دانے کے لیے ترس رہے ہیں، پڑوسیوں کو پہننے کے لیے کپڑے اور سر پہ چھت میسر نہیں، ظالم سینہ زوری کے ساتھ ظلم کر رہا ہے اور مظلوم انصاف کے لیے چلا رہے ہیں مگر ان تمام باتوں سے انھیں نہ کوئی ٹینشن ہوتی ہے، نہ افسوس کا کوئی حرف بھولے سے ان کی زبان پہ آتا ہے اور نہ ہی ان کے جسم میں کوئی سنسناہٹ اور کوئی حرکت ہوتی ہے۔ انھیں ڈھیلہ کہہ لیجیے، وہ ایسے ہیں گویا ایک ڈھانچہ جس سے روح نکال لی گئی ہے یا پتھر کا ایک مجسمہ ہے جو بے حس و حرکت بت بنا کھڑا ہے۔ اس طرح کا آدمی بھی اسی آدمی کی طرح بے جان ہے جو کپڑے کی دکانوں پر چپ چاپ کھڑا رہتا ہے نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے اور نہ ہی بولتا ہے۔ یہ اصلی نہیں نقلی آدمی ہے۔ ایک آدمی آنکھ اور کان رہتے ہوئے اندھا اور بہرہ بنا رہے، اور ناک ہوتے ہوئے سونگھ نہ سکے یا دماغ بنا سوچ اور دل بغیر دھڑکن کے ہو تو وہ بھی آدمی نہیں، بس آدمی جیسا پتھر کا ایک کھمبا ہے۔

اس لیے، بچو! آپ کو نقلی آدمی نہیں بننا؛ اصلی آدمی بننا ہے۔ آپ کب اصلی آدمی بنیں گے جب آپ کے پاس دھڑکنے والا دل، سوچنے والا دماغ، کامیابیوں کی طرف لپکنے والے پاؤں اور آسمان کو چھو لینے والے ہاتھ ہوں گے۔ اچھی سوچ کے ساتھ دل سے کسی کام کی طرف قدم بڑھانے سے ضرور کامیابی ملتی ہے۔

آؤ بچو! ہم اچھا اچھا سوچتے ہیں کہ ہمیں اچھے اچھے کام کرنا ہیں، غریبوں کی مدد کرنا ہے، بھوکوں کو کھانا کھلانا اور بے کپڑوں کو کپڑے پہنانا ہے، بیماروں کی تیمارداری کرنا ہے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنی ہے، جھوٹ کے خلاف آواز اٹھانا اور سچ بولنا ہے، نفرت کی آگ کو محبت کی پھوار سے بجھانا ہے، ظالم کو ظلم سے روکنا اور مظلوم کو انصاف دلانا ہے۔ اگر آپ کا دل دکھ کے وقت غم زدہ ہوتا ہے اور خوشی کے وقت خوش ہوتا ہے تو آپ اصلی آدمی ہیں۔ اگر آپ کو ماں باپ اور بڑوں کی خدمت کرتے ہوئے خوشی ملتی ہے تو آپ بالکل اصلی آدمی ہیں۔

جینا تو ہے اسی کا جس نے یہ راز جانا
ہے کام آدمی کا اوروں کے کام آنا

■

Dr. Farooque Azam Qasmi
Ram Lakhan Singh Yadav College
Bettiah - 845438 (Bihar)

مصباح الدین طارق

جشن جمہوریہ

جس گھڑی گُل کھلا جشن جمہور کا
ہر طرف غُل ہوا جشن جمہور کا

وادیاں جھوم اٹھیں، کہکشاں جھوم اٹھی
جب ترنگا اڑا جشن جمہور کا

بارشِ گل میں آؤ نہائیں سبھی
ابر پھر چھا گیا جشن جمہور کا

گاندھی، نہرو کے سپنوں کا سنگم ہے یہ
منظرِ جاں فزا جشن جمہور کا

ہند کے ذرّے ذرّے سے آئی صدا
مرحبا شکریہ جشن جمہور کا

ہے تمنا سدا یوں ہی قائم رہے
سر پہ سایہ خدا جشن جمہور کا

پیش ان کو خراج عقیدت کریں
جن کے صدقے ملا جشن جمہور کا

■

Misbah Uddin Tariq
Urdu Middle School Narkatiya
P.O: Hathiyar, via: Bodh Gaya
Distt.: Gaya- 824231 (Bihar)
Mob.: 9801996877

جشنِ یومِ جمہوریہ

ہیں پھول مہکے مہکے مسرور ہر کلی ہے
چھبیس جنوری ہے چھبیس جنوری ہے

آزاد ہند میں اب آئین ہے ہمارا
انصاف کے افق پر روشن ہوا ستارا
جمہوریت میں حاصل سب کو برابری ہے

مستوں کی سرزمیں پر سنتوں کی اس زمیں پر
دین اور دھرم کے داعی پیروں کی اس زمیں پر
علم و عمل کی پھیلی ہر سمت روشنی ہے

ہر شخص کو بتائیں ہر شخص کو سنائیں
نغمے محبتوں کے سب مل کے گنگنائیں
پھر آئی صبحِ نو کی پرنور وہ گھڑی ہے

پھولے پھلے ہمیشہ ہندوستاں ہمارا
قائم رہے ہمیشہ ہم سب میں بھائی چارہ
مٹی وطن کی ہم کو پیغام دے رہی ہے

ہندوستاں کو اپنے جنت نشاں بنائیں
آؤ کہ مل کے جشنِ جمہوریہ منائیں
جھنڈے کی اپنے جگ میں یہ شان دیدنی ہے

■

Ahmad Jameel
302/37, Molana Salim Gali
Nematpura
Burhanpur - 450331 (MP)

تحفہ سالِ نو

عبدالرزاق دل کھولاپوری

یوں خواہشوں کی بھیڑ ہے ہم جولیوں کے پاس
جیسے محمل میں داسیاں شہزادیوں کے پاس

بچپن جھلس نہ جائے جہالت کی آگ میں
رکھیے نہ اس کپاس کو چنگاریوں کے پاس

سونا مت آدھی رات میں اٹھنا نہ دیر سے
عادت یہ لیے جائے ہے بیماریوں کے پاس

تنہا بھلے ہی سمجھیں تمھیں اس جہاں کے لوگ
بہتر یہ ہے کہ تم رہو اچھائیوں کے پاس

نفرت کے بیج نہ اُگیں اپنی زمین میں
اب ایکتا ہو بچو! سبھی بھائیوں کے پاس

ہے سالِ نو کا تحفہ تمھارے لیے غزل
پہنچانا اس کو بہنوں کے اور بھائیوں کے پاس

بچو! ذہن میں رکھیے گا دل کے خیال کو
چاہے ہجوم میں ہوں یا تنہائیوں کے پاس

(تعارف دسمبر 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Abdur Razzaq Dil Kholapuri
(Dil Bharti House),Village & Post: Kholapur
Talluqa: Bhatkoli Distt.: Amravati - 444802
(Maharashtra), Mob.: 7304485318

مختار ٹونکی

سال نو مبارک

نیا سال آیا نیا سال آیا

نئے اور مدھر گیت گاتا ہوا وہ
مسرت کی تانیں اڑاتا ہوا وہ
نئے شیریں نغمے سناتا ہوا وہ

نیا سال آیا نیا سال آیا

نکھرتا ہوا اور سنورتا ہوا پھر
ہر اک گلستاں سے گزرتا ہوا پھر
وہ پھولوں کو دامن سے بھرتا ہوا پھر

نیا سال آیا نیا سال آیا

پرانی ڈگر سے وہ بچتا بچاتا
نئے راستوں کا وہ پردہ اٹھاتا
ترقی کے زینے پہ چڑھتا چڑھاتا

نیا سال آیا نیا سال آیا

خوش آئند فردا کے سپنے سہانے
امنگوں، امیدوں کے دیپک جلانے
نئی چیتنا کا یہ جادو جگانے

نیا سال آیا نیا سال آیا

مبارک نیا سال خورد و کلاں کو
مبارک نیا سال پیر و جواں کو
مبارک نیا سال مرد و زناں کو

نیا سال آیا نیا سال آیا

■

Mukhtar Tonki
Kali Paltan Road
Pul Mohd Khan
Tonk- 304001 (Rajasthan)
Mob.: 9214826684

چٹنی

محمد مستمر

جی ہاں میں چٹنی ہوں... میرا نام چٹنی ہے۔ میں مؤنث ہوں۔ میں خالص ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی ماحول اور ہندوستانی سنسکرتی سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں یہ بات یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی کہ میرا پیارا وطن کون سا ہے یا میری جنم بھومی کیا ہے مگر جہاں تک میرا علم ہے تو میری جنم بھومی یہی بھارت ہے۔ کیونکہ میں یہ بات اس لیے کہہ رہی ہوں کیونکہ آدم علیہ السلام کے قدم سب سے پہلے ہندوستان پر ہی پڑے اور یہیں سے انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ شروع ہوا۔

میرا نام جیسا کہ چٹنی ہے۔ یوں تو مجھے آج کل انگریزی پڑھے لکھے اور مہذب لوگ (Sauce) بھی کہنے لگے ہیں مگر جو لذت اور خوبصورتی لفظ چٹنی میں ہے وہ (Sauce) میں نہیں۔ اگر آپ تھوڑا کھینچ کر پڑھتے ہیں تو ساس بہ معنی خوش دامن بن جاتی ہوں اور اگر تھوڑا واؤ کو بھول کر کے یعنی سوس (Sos) پڑھتے ہیں تو اس کا مطلب ہو جاتا ہے ''ہمیں بچاؤ'' جو دراصل (Save Our Souls) کا مخفف ہے، جس کا استعمال یہ اشارہ کرنے کے لیے کیا جاتا ہے کہ آپ خطرے میں ہیں اور آپ کو مدد کی ضرورت ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب کسی ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا املا اور تلفظ صحیح صحیح ممکن نہیں ہو پاتا ہے۔ اسی لیے لفظ (Sauce) میں تکلف بھی ہے اور بناوٹ بھی۔

لفظِ چٹنی میں ایک بے تکلفی اور نیچرلٹی ہے۔ جب کوئی چٹنی کا لفظ اپنے منہ سے ادا کرتا ہے تو سننے والے کے منہ میں بے ساختہ پانی آجاتا ہے۔ چٹنی کا لفظ ادا کرتے وقت زبان کی رگڑاہٹ سے ایک الگ ذائقے کا احساس ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میں صیغہ ہوں اور میرا مصدر یا فعل چٹ ہو۔ چٹ سے ہی چٹخارا، چٹخنا اور چٹخنی، چٹ پٹی، چٹ پٹا، چٹیل جیسے لفظ وجود میں آئے ہیں۔ مجھ سے کئی کہاوتوں اور محاوروں نے بھی جنم لیا جیسے 'چٹ منگنی پٹ بیاہ' اور 'دماغ کی چٹنی بنانا' وغیرہ۔

جب دنیا کو ترکاری اور سالن بنانے کا شعور اور علم نہیں ہوا تھا تو وہ مجھ سے ہی کام چلایا کرتے تھے۔ چند مرچیں کوٹیں اور اس میں کچھ نمک ملا کر اپنا کام چلا لیا۔ میرا وجود تب تک بے معنی ہوتا ہے جب تک مجھ میں ضرورت کے مطابق نمک نہ ملایا جائے۔ آپ کتنے بھی مصالحے ملا لیجیے اگر نمک نہیں ڈالا گیا تو سارا ذائقہ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ نمک کی اہمیت میرے ساتھ ہی کیا ہر سالن، ترکاری اور سبزی میں اتنی ہی اہم ہے جتنی مجھ میں۔ جیسے جیسے زمانے نے ترقی کی تو میری ورائٹی میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ بنیادی طور پر تو لال یا ہری مرچ کے ساتھ لہسن ملانے پر میرا وجود تیار ہو جاتا ہے۔ اکثر جگہوں پر لال مرچ کی بنی چٹنی کو لال مرغے سے بھی موسوم کیا جاتا ہے یا یوں کہہ لیجیے غریب لوگ لال مرغے ترکیب کا استعمال کر کے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں۔ میری بہت سی قسمیں ہیں۔ جیسے ادرک کی چٹنی، ٹماٹر کی چٹنی، ہری مرچ کی چٹنی، پودینے کی چٹنی، آم کی چٹنی، لوکاٹ کی چٹنی وغیرہ۔ بے شمار چیزوں سے مجھے تیار کیا جاتا ہے اور میرے ذائقے سے لوگ لذت حاصل کرتے ہیں۔

آج کل تو میری اہمیت جب سے فاسٹ فوڈ آئے ہیں زیادہ ہی بڑھ گئی ہے۔ چاؤمین کی بات ہو یا موموز کی ان کا تصور میرے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے تو میرا کامبینیشن دہی، پکوڑے اور بریانی کے ساتھ پہلے سے ہی مشہور ہے۔ بریانی اور پکوڑے ہوں اور میری موجودگی نہ ہو تو ذائقہ ادھورا رہ جاتا ہے۔ بعض حضرات تو زبان کا ذائقہ سدھارنے اور زبان کا مزہ لینے کے لیے مجھے کچھ زیادہ ہی استعمال کر لیتے ہیں۔ بھلے ہی ان کی حالت پھر پتلی ہو جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ زبان کے مزے کے چکر میں مجھے حد سے زیادہ استعمال کرتے ہیں ان کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگتا ہے، کان آگ اُگلنے شروع کر دیتے ہیں، ناک بہنے لگتی ہے اور منہ سے سی سی کی آواز نکلنے لگتی ہے مگر وہ ایسا کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ کوئی بھی کام کیجیے اس میں اعتدال قائم رکھیے تو خسارے میں نہیں رہو گے۔ گرمیوں میں چھاچھ اور چٹنی کا جوڑ کھانے کی لذت کو دوبالا کر دیتا ہے۔ کسان اور مزدور تو آج بھی چھاچھ اور چٹنی سے اپنا گزارا خوشی خوشی کر لیتے ہیں۔

میں جلدی سے خراب بھی نہیں ہوتی ہوں۔ ایک بار مجھے تیار کر لیجیے تو کئی دن تک آپ میرے ذائقے سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اب تو کام چور محترمائیں اور خان سامائیں کافی مقدار میں مجھے تیار کر لیتے ہیں اور پیس کر فریج میں رکھ لیتے ہیں۔ جب سے مکسی آئی ہے تو پیسنے کے جھنجھٹ سے بھی آزادی مل گئی ہے۔ بس پٹا پٹ مرچ مصالحے مکسی میں ڈالیے اور جھٹ سے مجھے تیار کر لیجیے۔ شاید آپ لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مکسی میں تیار کرنے سے میرے ذائقے میں تبدیلی آ جاتی ہے جو بات سل بٹے میں ہے وہ مکسی میں نہیں ہے۔ جب مجھے چٹ چٹ کر کے یا رگڑ رگڑ کر بٹے کے سہارے سل پر پیسا جاتا ہے تو میری لذت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ مجھے تیار کر کے فریج میں نہیں رکھنا چاہیے بلکہ مجھے ہی کیا دوسرے سالن اور سبزیوں کو بھی پکا کر فریج میں نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ فریج میں رکھنے سے بیکٹیریا پیدا ہو جاتے ہیں جو انسانی صحت کے لیے مضر ہیں۔

(تعارف اگست 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Dr. Mohd Mustamir
Asst. Professor, Zakir Husain College
Delhi - 110002
Mob.: 8920860709

مناظر حسن شاہین

چاند ستارے بچے

گھر کی رونق ہیں ہر اک دل کے سہارے بچے
باپ کے لاڈلے اور ماں کے دلارے بچے
عقل کے کچے ہیں مانا کہ ابھی بچے ہیں
بن کے چمکیں گے کبھی چاند ستارے بچے
اک نظر ڈالو اِدھر بھی تو اے دولت والو!
کتنے افسردہ ہیں افلاس کے مارے بچے
تم اسی طرح جو پھیلاتے رہے جنگ و جدل
کیا کریں گے، کہاں جائیں گے ہمارے بچے
آگ نفرت کی جو ہر سمت بھڑک اٹھی ہے
پھر بہا دیں گے یہاں پیار کے دھارے بچے
رشک فردوس بنا ڈالیں گے یہ دنیا کو
خوب دکھلائیں گے جنت کے نظارے بچے
ہوں کسی ملک، کسی قوم کے بیدار ہیں سب
دیں گے پھر امن کا پیغام یہ سارے بچے
اب بھی شاہین شب و روز دعا کرتا ہے
کامران ہوں گے بلا شبہ یہ پیارے بچے

(تعارف جنوری 2022 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Manazir Hasan Shaheen
Makan No.: 60
Millat Colony
Gaya - 823001 (Bihar)

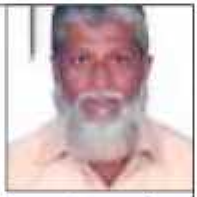

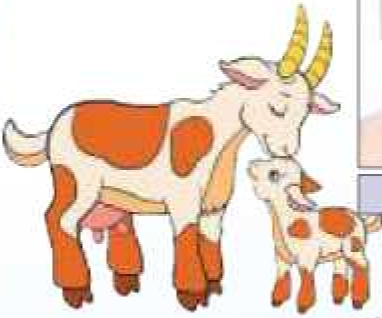

شبیر خان

بکری کا بچہ

بکری کا اک چھوٹا بچہ، بڑا ہی نٹ کھٹ پیارا پیارا
کھیلتے کھیلتے وہ ایک دن، ماں سے بچھڑ گیا بیچارہ

جا نکلا وہ ایک گلی میں، جہاں اسے دیکھا کتوں نے
کتے پہلے اس پر بھونکے، پھر وہ اس کو کاٹنے دوڑے

تبھی اچانک سے کچھ لڑکے، کرکٹ کھیلنے گلی میں پہنچے
انھوں نے ان کتوں کو بھگایا، بکری کے بچے کو بچایا

پھر بچے کو ڈھونڈنے اپنے، بکری بھی اس گلی میں پہنچی
بچے نے جب ماں کو دیکھا، دوڑ کے وہ اس سے جا چمٹا

بکری نے اسے چوما چاٹا، پھر اپنی بھاشا میں ڈانٹا
اس منظر کو دیکھ کے بھائی، سب بچوں نے تالی بجائی

■

Shabbeer Khan
Kaif Tower, 101-A Wing
K.r. Mhatre Marg
Mazgaon
Mumbai - 400010 (Maharashtra)

نظم

شیر دہاڑا

شیر دہاڑا، شیر دہاڑا
ننھا سا خرگوش پکارا
بھاگو بھاگو جلدی بھاگو
غفلت چھوڑو نیند سے جاگو
ہم سب پر مشکل یہ گھڑی ہے
آفت سر پر آن پڑی ہے
آؤ ہم سر جوڑ کے بیٹھیں
بچنے کی تدبیریں سوچیں
سوچیں ہم بچ پائیں کیسے
اوروں کو بھی بچائیں کیسے
بندر پیڑ پہ چڑھ جائے گا
شیر کو چکما دے پائے گا
لومڑی بی میں ہے بے باکی
دکھلائے گی وہ چالاکی
بلّی تو ہے اس کی خالہ
اسے بنائے گا نہ نوالہ

ہاتھی ہے جانباز سپاہی
فکر نہیں ہے اس کو ذرا بھی
بھینسے ریوڑ میں رہتے ہیں
تھوڑی جرات سے جیتے ہیں
سانبھر میں حکمت ہی کہاں ہے
اس کی تو خطرے میں جاں ہے
وار گدھا نہ سہہ پائے گا
ڈھینچوں کرتا رہ جائے گا
ہے معصوم ہرن بے چارہ
بننا ہوگا اس کا سہارا
چلو خبر ان تک پہنچائیں
ان سب کی ہم جان بچائیں

(تعارف اکتوبر 2023 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Amanul Haq Balapuri
Darul Aman, Joly Bess Shahar
Balapur - 444302 (Maharashtra)
Mob.: 9822695795

نظم

سید کلیم رہبر

اچھی لڑکی

علینہ اچھی لڑکی ہے
بڑی سیدھی ہے بچی ہے
سویرے جلد اٹھتی ہے
نمازِ فجر پڑھتی ہے
وہ گھر کا کام کرتی ہے
وہ کم آرام کرتی ہے
مدرسہ روز جاتی ہے
پڑھائی اس کو بھاتی ہے
اسے ہے شوق پڑھنے کا
اسے ہے شوق لکھنے کا
ترقی خوب کرنے کا
جہاں میں آگے بڑھنے کا
کبھی ناغہ نہیں کرتی
کبھی جھگڑا نہیں کرتی
سبھی سے ملتی جلتی ہے
ادب سے بات کرتی ہے

ہر اک لڑکی یہ کہتی ہے
سہیلی سب سے اچھی ہے
برا لگتا نہیں اس کو
غلط جچتا نہیں اس کو
مگر یہ بھی حقیقت ہے
اسے اردو سے الفت ہے
وہ پڑھتی ہے رسالوں کو
سبھی اردو کتابوں کو
وہ ہے ماں باپ کی پیاری
وہ ہے بھائی کی بھی پیاری
علینہ اچھی لڑکی ہے
بڑی سیدھی ہے بچی ہے

■

Sayyed KaleemRahbar
Chikhli Road, Amdapur
Distt: Buldana- 444301 (Maharashtra)
Mob.: 9767125832

ڈراما

پڑھائی

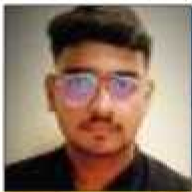

شیخ فرحان گلناز بی

(پہلا منظر)

(صبح 11 بجے کا وقت ہے۔ فیضان اپنی امّی سے بحث کرتے ہوئے۔)

فیضان: (اپنی امی سے) امی آپ میرا زبردستی گیارہویں جماعت میں داخلہ نہ کروائیں۔

امی: گیارہویں جماعت میں کیوں نہیں جانا چاہتے ہو؟

فیضان: بس یوں ہی۔

امی: دسویں جماعت میں اتنے اچھے نمبر لانے کے باوجود پڑھائی کرنے سے انکار کر رہے ہو۔

فیضان: دسویں جماعت پاس ہو گیا ہوں نا، اتنا کافی ہے۔

امی: (مسکرا کر) اصل مسئلہ تو بتاؤ؟ (فیضان سے سوال کرتے ہوئے)

فیضان: (چڑھ کر) میرا اب پڑھائی کرنے کا بالکل بھی من نہیں کرتا ہے اور صبح اسکول جانے کے لیے اٹھا بھی نہیں جاتا ہے۔

امی: پڑھائی نہیں کرو گے تو زندگی میں کیا کرو گے؟

فیضان: میں کوئی بھی کام کر لوں گا لیکن پڑھائی نہیں کروں گا بس۔

امی: یا اللہ (پریشان ہو کر) تمھارے ابّو آئیں گے تب ان سے یہ سب باتیں کہنا وہ تمھیں اچھی طرح سے سمجھائیں گے۔

(دوسرا منظر)

(دوپہر کا وقت ہے۔ فیضان، اس کی امی اور ابّو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں۔ فیضان کی والدہ اپنے شوہر سے فیضان کے پڑھائی نہ کرنے کی بات کہتی ہیں۔ فیضان کے ابّو فیضان سے بات کرتے ہوئے)

ابو: یہ میں کیا سن رہا ہوں فیضان؟ (فیضان کو ڈانٹتے ہوئے)

فیضان: (سہم کر) جی ابّو۔

ابّو: (غصے سے) تم اتنے بڑے نہیں ہوئے ہو ابھی جو اپنے فیصلے خود کرنے لگ جاؤ۔

فیضان: (ڈر کے ساتھ) ایسی بات نہیں ہے ابّو۔

ابّو: (فیضان کی بات کر کاٹ کر) بات کوئی بھی ہو یہ تمھاری پڑھنے کی عمر ہے اور تم پڑھائی کرو گے بس۔

فیضان: (دھیمی آواز میں) جی ابو۔

ابو: صبح جلدی اٹھ جانا کل تمھارا گیارہویں جماعت میں داخلہ کروانے جانا ہے۔ سمجھ گئے میری بات؟

فیضان: (ڈر کر) جی ابو سمجھ گیا ہوں۔

(تیسرا منظر)

(شام کا وقت ہے۔ فیضان پارک کے بینچ پر اکیلا اداس بیٹھا ہوا ہے۔ ادھر سے اس کا دوست ارشد اس کے پاس آتا ہے۔)

ارشد: ارے بھائی فیضان یوں اکیلے کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟

فیضان: کچھ نہیں بس ایسے ہی۔ (اداس ہو کر)

ارشد: چلو اٹھو کھیلنے چلتے ہیں۔

فیضان: نہیں تم کھیلو میرا من نہیں ہے۔

ارشد: کیا اداس ہوئے بیٹھے ہو چلو نہ کھیلتے ہے۔

فیضان: (غصے سے) میں نے کہا نا کہ مجھے نہیں کھیلنا ہے جاؤ تم کھیلو مجھے پریشان مت کرو۔

ارشد: ٹھیک ہے بھائی مت آؤ کھیلنے لیکن میں تو جا رہا ہوں۔

(ارشد کھیلنے چلا جاتا ہے۔ فیضان اداس پارک کے بینچ پر بیٹھا ہوا ہے۔ ادھر سے ایک بوڑھا آدمی اپنے کندھوں پر وزن اٹھائے آتا ہے اور فیضان کے قریب ٹھہر جاتا ہے۔)

چاچا جی: بیٹا کیا تمھیں پڑھنا آتا ہے؟ (فیضان سے پوچھتے ہوئے)

فیضان: (دھیمی آواز میں) ہاں چاچا جی آتا ہے۔

چاچا جی: بہت خوب! کیا تم اس پرچی پر لکھا ہوا گھر کا پتہ اس علاقے میں کس طرف ہے پڑھ کر بتا سکتے ہو؟

فیضان: جی پرچی مجھے دیجیے۔

فیضان: چاچا جی اس پرچی پر لکھا ہوا پتہ فاطمہ نگر کا ہے اور یہ علاقہ اسلام پورہ ہے۔

چاچا جی: کیا! بیٹا ذرا ایک مرتبہ ٹھیک سے پڑھو۔

فیضان: چاچا جی میں ٹھیک سے پڑھ چکا ہوں آپ غلط پتے پر آ گئے ہیں۔

چاچا جی: (پریشان ہو کر) یا اللہ پرچی پر لکھا ہوا پتہ تو یہاں سے کافی دوری پر ہے اور اب اتنا وزن اٹھانے کی

ان بوڑھی ہڈیوں میں طاقت بھی نہیں بچی ہے۔
فیضان: پریشان مت ہوئیے پہلے آپ یہاں سکون سے بیٹھ جائیں میں آپ کے لیے پانی لے کر آتا ہوں۔
(چاچا جی اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے پارک کے بینچ پر بیٹھے ہوئے ہے۔ فیضان انھیں پانی لاکر دیتا ہے)
فیضان: (پانی دیتے ہوئے) لیجیے چاچا جی پانی پی لیجیے اور پرسکون ہو جائیے۔
چاچا جی: شکریہ بیٹا تم بہت اچھے بچے ہو لیکن سکون سے کیسے بیٹھ جاؤں اگر یہ سامان میں وقت پر نہ پہنچا سکا تو دکان مالک میرے پیسے کاٹ لے گا۔ (فکرمند ہو کر)
فیضان: فکر مت کیجیے آپ پہلے تھوڑی سکون کی سانس لے لیجیے ان شاء اللہ آپ وقت پر پہنچ جائیں گے۔
چاچا جی: (افسوس کرتے ہوئے) یہ سب غلطی میری ہی ہے۔ کاش میں تمھاری عمر میں پڑھائی کر لیتا تو آج یوں مجھے اس طرح کی پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔
فیضان: (چونک کر) آپ نے پڑھائی کیوں نہیں کی چاچا جی؟
چاچا جی: جب میں تمھاری عمر کا تھا تب میرا پڑھائی میں بالکل بھی من نہیں لگتا تھا۔ میں اپنے ابّو اور امی کی بات نہیں سنتا تھا اور اسکول میں داخلے کی بات پر ان سے جھگڑتا تھا۔ اسی وجہ سے میری زندگی پریشانی و مشکلات کے ساتھ گزر رہی ہے۔
(چاچا جی کی بات سن کر فیضان گہری سوچ میں چلا جاتا ہے)
چاچا جی: (فیضان کو بلا کر) بیٹا کہاں کھو گئے ہو تم میری بات سن تو رہے ہو نا؟
فیضان: (بچک کر) جی سن رہا ہوں۔
چاچا جی: تم پڑھائی کرتے رہنا کیونکہ پڑھائی سے ہی انسان کا وجود ہوتا ہے۔ پڑھائی میں من لگانا بہت ضروری ہے۔ کتابوں سے دوستی کرنا چاہیے کیونکہ کتابیں بہترین ساتھی ہوتی ہیں۔
(چاچا جی کی باتیں سن کر فیضان کی آنکھوں میں ایک الگ سے چمک دکھائی دیتی ہے۔)
فیضان: (جوش کے ساتھ) جی چاچا جی اب سے میں خوب پڑھائی کروں گا اور ایک کامیاب انسان بنوں گا، ان شاء اللہ!
چاچا جی: (مسکراتے ہوئے) ضرور بنوگے ان شاء اللہ لیکن کامیاب انسان وہ نہیں جس کے پاس بہت سارا پیسہ ہو کامیاب انسان وہ ہے جس کا کردار اچھا ہو۔ پڑھائی اس لیے کرنا چاہیے تاکہ تم سماج میں صحیح اور غلط میں فرق کر سکو اور صحیح کے لیے اپنی آواز بلند کر سکو۔
فیضان: (خوشی کے ساتھ) ہاں چاچا جی آپ نے درست کہا۔
چاچا جی: اچھا چلو میں اب چلتا ہوں تم سے باتیں کر کے بہت ہی ہلکا محسوس کر رہا ہوں۔
فیضان: ٹھیک ہے چاچا جی اپنا خیال رکھیے گا۔ خدا حافظ۔
چاچا جی: تم بھی اپنا خیال رکھنا اور من لگا کر پڑھائی کرنا۔ چلو اللہ حافظ۔
(چاچا جی وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ فیضان بھی اپنے گھر لوٹ جاتا ہے اور اپنے ابّو اور امی سے گیارہویں جماعت میں داخلہ لینے کی بات کرتا ہے اور اس کی یہ بات سن کر اس کے ابّو اور امی خوش ہو جاتے ہیں۔)

■

Shaikh Farhan Gulnar Bee
Islampura, Bhiwani Beeth
Jalgaon - 425001 (Maharashtra)
Mob.: 7387677175

جدید علوم پر مبنی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے: خیال انصاری

س: بچپن کی کون سی باتیں، شوخیاں، شرارتیں اب بھی آپ کو بہت یاد آتی ہیں؟

ج: بچپن عمر کا وہ حصہ ہوتا ہے جس میں کسی جرم گناہ کا کوئی تصور ہی نہیں ہوتا بلکہ اسے ہم نادانی، معصومیت، بچپنا گردانتے ہیں اور ہر حرکت کو قابل معافی اور بے ضرر مانتے ہیں۔ خواہ چاہے کتنا بڑا نقصان کیوں نہ ہو جائے، بچپن کی شوخی و شرارتوں کو یاد کرتے وقت ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ جس کو نہ تو احساس جرم کہا جاسکتا ہے اور نہ ہی احساس ندامت اور نہ ہی اپنی دلیری بہادری سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ جیسے بچے ماہِ رمضان میں روزہ کم رہتے ہیں، افطار زیادہ کرتے ہیں، نماز پڑھنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں، مگر وضو کرنے کا اہتمام کم کرتے ہیں، نماز تراویح میں اکثر بچوں کو الگ کر دیا جاتا ہے لہٰذا نماز پڑھنے سے زیادہ شرارت ضرور کی جاتی ہے۔ کبھی کسی کی ٹوپی اُڑا دی، کبھی سجدے کے وقت کسی کی پیٹھ پر بیٹھ کر سواری کر لی، نماز تراویح میں سجدہ کرنے کے مقام کے ٹھیک سامنے پانی سے بھرا مٹی کا چھوٹا سا گڑھا ضرور ہوتا ہر رکعت میں اُدھورا سجدہ کر کے پانی پی کر تازہ دم ہو کر دوسری رکعت کے لیے پھر کھڑے ہو جاتے۔

پرائمری اسکول میں بھی پڑھائی کم اور وقت گزاری زیادہ ہوتی مگر لائق و فاضل اساتذہ ہم جیسے ناکارہ بچوں کو بھی پڑھائی میں کارآمد بنا ہی دیتے۔ سزا کے طور پر ڈانٹ ڈپٹ اور خوفناک آنکھیں دکھانا ہی ہمیں سیدھا کر دیتا تھا۔ ہائی اسکول کے زمانوں میں استاد محترم نہایت متانت اور توجہ سے درس دے رہے ہیں مگر ہم شریر بچے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح کی غیبی آواز بلند کر کے ماحول کو پراگندہ کر ہی دیتے یا منہ سے ہی آوازیں نکال کر دیگر بچوں کو استاد محترم کی طرف کم اپنی طرف زیادہ متوجہ کر لیتے، یہ سب کارنامے ہمارے کم ہیں ہم کلاس ساتھیوں کے زیادہ لیکن سچ تو یہ بھی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم بھی شریک رہے ہیں۔

خیال انصاری

س: بچپن میں آپ کے پسندیدہ مصنفین کون تھے اور اب کون ہیں؟

ج: بچپن میں ماہنامہ کھلونا دہلی سے رشتہ قائم ہوا۔ لہٰذا اس کے تمام ہی قلم کاران ہمارے پسندیدہ مصنفین تھے جیسے کرشن چندر، ڈاکٹر ذاکر حسین، شفیع الدین نیر، اسماعیل میرٹھی، راجہ مہدی علی خان، سراج انور، شوکت پردیسی وغیرہ ان کے بعد جب مطالعے کا شوق عادت میں تبدیل ہو گیا تو نسیم انہونی، دت بھارتی اور پھر ابن صفی کے تو ہم دیوانے تھے۔ کوئی بھی ناول نہیں چھوڑا۔ بات عصر حاضر کی کی جائے تو اب کہاں وہ مقصدی اور معیاری ادب اطفال تحریر ہوتا ہے نثر ہو یا شاعری کئی احباب مسلسل لکھ رہے ہیں۔ پہلے تین چار برسوں میں کتابیں چھپتی تھی۔ اب تو ایک ادیب ایک شاعر کی

ملک کا واحد بچوں کا اخبار ہفت روزہ خیر اندیش، مالیگاؤں

ایک سال میں دو دو تین تین کتابیں چھپ جاتی ہیں معیار سے کوئی مطلب نہیں ہوتا۔ چونکہ گزشتہ 36 برسوں سے میں خود ہفت روزہ 'خیر اندیش' شائع کر رہا ہوں، کہانیوں اور نظموں کے انتخاب پر دانتوں پسینہ آجاتا ہے۔ بعض مرتبہ نثر حتیٰ کہ نظموں میں بھی زبان کی درستی کرنا پڑتی ہے اور یہ اصلاح بھی شاعر یا ادیب کو ناگوار گزرتی ہے۔ اس تعلق سے ایک حقیقی واقعہ درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک نامور ادیب کی ایک کہانی کے خاتمے (اینڈ) کو تبدیل کر دیا تھا چونکہ وہ ہمارے دین سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ کہانی شائع ہونے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اتفاق سے کسی اور رسالے میں بھی وہی کہانی شائع ہوئی۔ دلچسپ بات یہ رہی کہ وہاں بھی کہانی کا اینڈ تبدیل ہو چکا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ آج کے لکھنے والوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کم وقت میں زیادہ شہرت و ناموری چاہتے ہیں مگر اپنے فن میں پختگی نہیں۔ یہ کہانی پر کہانی نظم پر نظم لکھے جا رہے ہیں اور مطالعہ کرتے نہیں۔

س: بچپن میں کس کتاب نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا؟

ج: مطالعے کا شوق بچپن سے ہی ہے لہٰذا کسی ایک کتاب کا حوالہ دینا مناسب نہ ہوگا۔ کئی ادیب و شاعر پسندیدہ تھے اور تمام ہی صاحب کتاب تھے۔

س: بچپن میں بچوں کے کون سے رسائل آپ پڑھتے تھے؟

ج: اسکول کے زمانے میں غنچہ (بجنور)، کھلونا (دہلی)، پیام تعلیم (دہلی) پڑھتے تھے۔ بعد ازاں کلیاں (لکھنؤ) ثانی (لکھنؤ)، چندا نگری، مسرت (کلکتہ۔ ممبئی) کے کچھ رسائل تھے جن کو پڑھا بھی اور ان میں لکھنا بھی شروع کر دیا۔

س: بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے کون سی کتابیں زیادہ مفید ہیں؟

ج: سیدھا سا جواب ہوگا کہ بچوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کے لیے درسی کتب کو بہر حال اولیت حاصل ہے۔ اس کے بعد سیرت پر مبنی دینی اصلاحی کتب، عصر حاضر کے عین مطابق سائنس اور علوم جدید پر مشتمل کتابیں ضروری ہیں۔ یہاں بچوں کے رسائل کو قطعی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بچوں کے رسائل کے مدیران پر بلاشبہ یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تخلیقات کے انتخاب میں سختی نہیں چستی کا مظاہرہ ضرور کریں۔ ادبا کے علاوہ بچوں کو بھی مختلف عنوانات دے کر کہانیاں واقعات سیر و سیاحت اور سائنسی مضامین لکھوائیں اور تاریخی کتب کا مطالعہ بھی ہر لحاظ سے مفید ہوگا۔

س: زبان و بیان کو بہتر بنانے کے لیے کن مصنفین کی کتابیں بچوں کے لیے رہنما ثابت ہو سکتی ہیں؟

ج: راشد الخیری، ڈپٹی نذیر احمد، اسماعیل میرٹھی، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مصنفین کی کتابیں اور ان کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے کے لیے اساتذہ کی رہنمائی۔

س: مستقبل اور اپنے کیریئر کو سنوارنے کے لیے بچوں کو کن موضوعات اور کتابوں کا مطالعہ کرنا فائدہ مند ثابت ہوگا؟

ج: عصر حاضر میں جدید علوم پر مبنی کتابیں جو شخصیت سازی اور ان میں اخلاقی لسانی اور تہذیبی ارتقا کی ضامن ہوں۔ ان میں خود اعتمادی اور قوت فیصلہ بھی پیدا کریں۔

س: اپنے سوانحی اور تعلیمی کوائف کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج: میں انصاری نور الہدیٰ ابن محمد شعبان المعروف خیال

انصاری یکم جون 1949 کو مہاراشٹر کے مشہور صنعتی، علمی، ادبی اور دینی شہر مالیگاؤں (ضلع ناسک) میں پیدا ہوا۔ تعلیم گیارہویں جماعت (ایس ایس سی) میٹرک تک حاصل کی اور اپنے آبائی پیشے پارچہ بافی سے منسلک رہا۔ زمانہ طالب علمی سے ہی شعروادب کا ذوق رہا۔ 1962 سے ادب عالیہ اور ادب اطفال کے لیے لکھ رہا ہوں۔ بچوں کے دو ماہی رسالہ اُردو کومک (مالیگاؤں)، ہفت روزہ پسینہ (مالیگاؤں)، پندرہ روزہ معیشت سے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا ہفت روزہ سٹیزن ٹائمز کے جوائنٹ ایڈیٹر، ہفت روزہ آواز جمہور کے چیف ایڈیٹر کے طور پر ذمے داریاں انجام دیں، روزنامہ اردو ٹائمز کے نامہ نگار کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی۔ 1987 میں ہفت روزہ خیر اندیش کا اجرا کر کے اَدبِ اطفال میں صحافت کا آغاز کیا۔ واضح رہے کہ ہفت روزہ 'خیر اندیش' ملک کا واحد بچوں کا اخبار ہے جو گزشتہ 36 برسوں سے بلا ناغہ شائع ہو رہا ہے۔ میری غزلیں افسانے، کہانیاں بھی برصغیر ہندو پاک کے معتبر جرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ شاعری میں ادیب الملک حضرت ادیب مالیگاؤں سے شرف تلمیذ حاصل رہا۔ ایک زمانے میں میرے افسانے ماہنامہ شمع اور غزلیں ماہنامہ شاعر ممبئی میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ شہر مالیگاؤں کے علاوہ ملک کی دیگر ریاستوں کی مختلف ادبی انجمنوں اور تنظیموں سے وابستگی رہی ہے۔ 1992 سے انجمن ترقی اردو ہند شاخ مالیگاؤں کے سکریٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہا ہوں۔ میرے افسانوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ علمی، ادبی، صحافتی خدمات کے صلے میں حکومت مہاراشٹر کی جانب سے مولانا ابوالکلام آزاد صحافتی ایوارڈ، مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی کی جانب سے صحافتی ایوارڈ اور ادب اطفال خدمات ایوارڈ، نیز سرسید ادبی سنگم کی جانب سے ادبی خدمات کا علی سردار جعفری ایوارڈ، ماہنامہ گل بوٹے ممبئی کی جانب سے طویل علمی ادبی خدمات ایوارڈ، ماہنامہ تریاق ممبئی اور اردو فاؤنڈیشن کی جانب سے علامہ آرزو لکھنوی ایوارڈ، نیز اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن دہلی کی جانب سے عالمی یوم اردو کا ڈاکٹر ذاکر حسین اور مولانا اسماعیل میرٹھی ادب اطفال ایوارڈ بھی شامل ہے۔ اسی طرح انجمن ترقی اردو شاخ مالیگاؤں کی جانب سے میری خدمات کے اعتراف میں جشن خیر اندیش کے موقعے پر ایک مجلہ 'نقش خیال' بھی شائع ہو چکا ہے۔

س: آپ کو بچوں کے لیے لکھنے کا خیال کب اور کیسے آیا؟

ج: جیسا کہ میں نے کہا کہ زمانہ طالب علمی سے ہی مطالعے کا شوق تھا ہائی اسکول میں نقش دیوار کے لیے انجمن ترقی تعلیم (اے ٹی ٹی ہائی اسکول) کے پرنسپل نے مجھے ایڈیٹر بنا دیا۔ احباب سے مضامین لکھوانے کے ساتھ ساتھ خود بھی مضامین لکھ کر نقش دیوار کی زینت بنانے سے لکھنے کی شروعات ہوئی۔

س: آپ کی پہلی تخلیق کب اور کس رسالے میں شائع ہوئی؟

ج: میری پہلی تحریر جو کہ مضمون کی صورت میں روزنامہ انقلاب ممبئی کے بچوں کے صفحے پر شائع ہوئی جبکہ پہلی کہانی کلیاں لکھنؤ میں شائع ہوئی۔

س: آپ کے مرکزی موضوعات کیا ہیں؟

ج: بچوں کی دلچسپی کے وہ سارے موضوعات جن میں تعلیم وتربیت سے لے کر شخصیت سازی، اتحادِ باہمی، بزرگوں کا احترام، والدین کی فرمانبرداری، اساتذہ کی تعظیم اور وطن سے محبت شامل ہے۔

س: کتاب لکھنے سے پہلے آپ بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرتے ہیں یا نہیں؟

ج: جو شخص خود بچہ رہا ہو گھر میں بچوں کے درمیان ہو، اسے بچوں کی نفسیات اور ذہنی مطالبات پر ریسرچ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، بچوں کے لیے کہانیاں اور نظمیں لکھنے والا شاعر،

ادیب بچوں کی نفسیات اوران کی پسند کو پیش نظر رکھ کر ہی لکھتا ہے۔
س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آپ کو کس طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؟
ج: جو قلم کار بچوں کی نفسیات ان کی پسند اور ذہنی مطالبات سے واقف ہو اسے کسی بھی طرح کی دقت نہیں ہوتی، میں گزشتہ 35 برسوں سے ادب اطفال کے لیے سرگرم عمل ہوں۔
س: ادیب اطفال کی حیثیت سے ادبی اور علمی حلقے میں آپ کی قدر ہوتی ہے یا نہیں؟
ج: ادب اطفال کے شاعر اور ادیب نیز صحافی کی حیثیت سے مجھے ملک گیر شہرت اور شناخت حاصل ہے۔ خیر اندیش کی مناسبت سے مجھے محبت اور احترام میں احباب کبھی خیال اندیش، کبھی خیر انصاری کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دہلی، ممبئی، حیدرآباد، کوکن اور مہاراشٹر کے تمام شہروں میں منعقدہ ادب اطفال سمینار میں مجھے ضرور بلایا جاتا ہے یہ اعزاز کی بات ہے۔
س: کیا آپ اب بھی بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں پڑھتے ہیں؟
ج: بحیثیت مدیر خیر اندیش بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں تبصرے کے لیے آتی ہیں۔ ان پر اپنی رائے اور نقد و نظر ضروری ہوتا ہے۔ بحیثیت جج بھی سرکاری و نیم سرکاری محکمے میں بلایا جاتا ہوں۔ لہٰذا بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں ضرور پڑھتا ہوں۔
س: انگریزی اور دیگر زبانوں میں شائع ہونے والے کون سے رسالے بچوں کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں؟
ج: احباب سے سنا ضرور ہے کہ مراٹھی اور ہندی میں بچوں کا ادب بہتر طور پر پیش ہوتا ہے۔
س: اردو میں بچوں کے لیے انگریزی، تیلگو اور دیگر زبانوں جیسا کوئی مکمل رسالہ موجود ہے؟
ج: جی ہاں بچوں کی دنیا اور اب کئی زبانوں میں شائع ہونے والا گل بوٹے ممبئی کا نام لیا جا سکتا ہے۔
س: بچوں کے ادب پر جو رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان کے مواد اور زبان و بیان سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
ج: اب تو گنتی کے چند رسائل ہیں ان میں بچوں کی دنیا، گل بوٹے، امنگ، بچوں کا ساتھی وغیرہ معیاری کہے جا سکتے ہیں۔
س: معاصر ادب اطفال سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟
ج: بچوں کے ادب میں شاعری زیادہ ہو رہی ہے جو کہ بہت معیاری نہیں کہی جا سکتی، جہاں تک نثر کا تعلق ہے آج بھی ہم پڑوسی ملک کے ادب اطفال سے بہت پیچھے نظر آتے ہیں۔ وہاں کے رسائل میں جو نثر شائع ہو رہی ہے ان کے موضوعات میں عصر حاضر کی بھرپور نمائندگی ہوتی ہے۔ ہم آج بھی پرانی روش پر گامزن ہیں۔
س: بچوں کے لیے لکھتے ہوئے آج کے دور میں کن موضوعات پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے؟
ج: دور جدید مکمل طور پر ایجادات کا دور ہے، سائنسی ادب کے ذریعے بچوں کو سائنسی علوم سے آراستہ کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کے حوالے سے اخلاق و اطوار کی آبیاری کے لیے شخصیت سازی اور کردار سازی بہت ضروری ہے۔ تعلیم بڑھ رہی ہے مگر تربیت کا فقدان بھی ہے۔ اس کی جانب بھرپور توجہ دینا ضروری ہے۔
س: بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کچھ مفید تجاویز اور مشورے؟
ج: بچوں کی تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت بہت ضروری ہے۔ اساتذہ اور والدین کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ بچوں کو با اخلاق اور قوم و ملت کا ایک ذمے دار شہری بھی بنائیں۔
س: بچوں کے لیے آپ کا کوئی پیغام۔
ج: تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے کردار قول و عمل سے اپنے بزرگوں، وطن کا نام روشن کرو۔

■

Khyal Ansari
772 , Khushamad Pura
Malegaon-423203 , Dist.: Nasik (MS)

کوئی چیز نکمی نہیں ہے

اقبال برکی

اسے سمجھاتے مناتے، بہلاتے پھسلاتے سب ہار چکے تھے۔ اس کے ابو کئی بار اسے منانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کر چکے تھے۔ ان کے ساتھ اس کی امی نے بھی اسے سمجھانے اور بہلانے کی کوشش کی تھی لیکن نہ وہ کسی کی کچھ مانتا اور نہ ان کی کوئی بات اس کے دماغ میں گھستی تھی۔ وہ سب کی سن لیتا اور آخر میں کہتا، ”نہیں نہیں، میرے ٹیچر نے وہی کہا ہے اور میں وہی لوں گا۔“ اور پھر سمجھانے والے اپنا سر پیٹ کر رہ جاتے۔

شجاع پانچویں درجے میں تھا اور شہر کے ایک بڑے اور نامی اسکول میں جاتا تھا۔ وہاں تعلیم اچھی اور معیاری تھی ساتھ ہی اساتذہ کا بھی ایک معیار اور مرتبہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کا طالب علم بہت جلد استاد کو آئیڈیل بنا لیتا اور پھر استاد جو کہتے وہ ان سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں ہوتا اور اکثر اسی پر اڑا رہتا۔ شجاع کے ڈرائنگ کے استاد نے طلبہ سے ڈرائنگ کی بیاض منگوائی تھی۔ انھوں نے جو بیاض لانے کی تاکید کی تھی وہ درمیانی سائز کی تھی اور اس کا کور براؤن رنگ کا تھا۔ شجاع نے اپنے ابو سے کہا تھا کہ وہ اسے ڈرائنگ کی وہی بیاض لا دیں۔ اس کے ابو نے ہاں کہہ دیا اور اسی دن شام کو جب گھر لوٹنے لگے تو ایک درمیانی سائز کی ڈرائنگ بک بھی لیتے آئے۔ مگر جیسے ہی شجاع کی نظر ڈرائنگ بک پر پڑی وہ بول پڑا۔ کہنے لگا کہ اسے وہ نہیں بلکہ وہ بک چاہیے جس کا کور براؤن رنگ کا ہے۔

اس کے ابو اور امی نے لاکھ کوشش کی اور سمجھایا کہ اس ڈرائنگ بک میں اور براؤن رنگ والی کاپی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کے کاغذ ایک جیسے ہیں بلکہ جو وہ لائے ہیں اس کا ورق نسبتاً زیادہ اچھا ہے۔ مگر شجاع کو ان کی کوئی بات ماننی تھی نہ اس نے مانی۔ وہ ہر بار یہی کہتا کہ اس کے ٹیچر نے کہا ہے لہٰذا وہ وہی براؤن رنگ والی بیاض لے گا دوسری کوئی نہیں کیوں کہ وہی اچھی ہے اور اس کا ورق بھی اچھا ہے۔

اسی بیاض کے چلتے اس نے اسکول کا ناغہ بھی کر دیا۔ اس کی امی اس پر اور بھی خفا ہوئی اور آخر میں اسے دو ایک طمانچے بھی جڑ دیے۔ لیکن وہ کسی صورت سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ مار کھا کر اس نے رونا شروع کر دیا۔ زور زور سے روتا رہا۔ اپنی

بات منوانے کا یہ اس کا پرانا حربہ تھا۔ جہاں کوئی چیز اس کی مرضی و منشا کے خلاف ہوتی اور وہ کمزور پڑتا تو رونے لگتا اور ایسا شور مچاتا کہ کچھ ہی دیر میں گھر میں موجود سب عاجز آ جاتے۔ بے بنیاد عقیدے کا بیج ہٹ دھرمی ہی کے برگ و بار لاتا ہے۔

ابھی وہ بیٹھا رو ہی رہا تھا کہ اس کے بڑے بھائی گھر میں داخل ہوئے۔ بھیا اس سے کئی برس بڑے تھے اور ایک دوا ساز کمپنی میں ملازم تھے۔ اس کے بھیا نے باہر سے ہی اس کا رونا سن لیا تھا۔ انھوں نے اپنا بستہ ایک طرف رکھا اور ہاتھ کا سامان بھی وہیں چھوڑا اور آ کر شجاع کے قریب بیٹھ گئے۔ ابھی وہ کچھ بول بھی نہیں پائے تھے کہ ان کے ابو نے سامنے کی دیوار سے لگی پلنگ پر سے آواز دی اور ڈانٹ کر کہا، ''افروز، رونے دے اسے! دیکھتا ہوں کب تک اپنی ضد پر اڑا رہتا ہے!''

''مگر ہوا کیا ہے؟'' افروز نے پوچھا۔

اسی لمحہ افروز کی امی بھی وہاں چلی آئی۔ اس سے پہلے کہ اس کے ابو کچھ کہتے وہ اسے ساری کہانی بتانے لگی۔ اس کی امی نے سارا ماجرا کہہ سنایا اور اپنی بات ختم کرتے ہوئے بولی، ''بیاض کا کور دوسرے کلر کا ہو تو کیا فرق پڑتا ہے۔ کیا ماسٹر جی کور دیکھ کر ہی ڈرائنگ بنوائیں گے؟''

افروز نے شجاع سے پوچھا، ''کیا تمھیں براؤن کلر والی ہی بیاض چاہیے؟''

شجاع کا جواب سیدھا تھا۔ بولا، ''ہاں ہمارے ٹیچر نے وہی کہا ہے اور کہا ہے کہ وہی اچھی ہوتی ہے۔''

اس کے چپ ہونے کے بعد بھی کوئی کچھ نہیں بولا۔ افروز ایک لمحے تک شجاع کی آنکھوں میں دیکھتا رہا اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ اس نے کہا، ''شجاع اگر ایسے رہو گے تو بہت دھکے کھاؤ گے۔ اپنی منوانا سیکھو۔ جب تم خود ہی اپنی چیز کو نکما سمجھو گے تو دوسرے کیوں اُسے اچھا سمجھیں گے۔ جب تم خود دوسروں کے کہنے پر اپنے آپ کو برا سمجھو گے تو دوسرے کیوں تمھیں اچھا کہیں گے؟''

افروز بھیا کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد وہ شجاع کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے، ''جانتے ہو مجھے اس شاندار اور اونچے درجے کی فارماسیوٹیکل کمپنی میں نوکری کیسے ملی تھی؟''

افروز براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ شجاع نے غیر ارادی طور پر نفی میں گردن ہلا دی۔

افروز نے کہا، ''نہیں نا۔ تو سنو! میں جب انٹرویو کے لیے ان کے آفس میں داخل ہوا تو میرے شرٹ کے اوپر والے جیب میں ایک مسواک رکھی ہوئی تھی اور دور سے بھی نظر آتی تھی۔ جو مینیجر انٹرویو کر رہا تھا وہ ایک ٹیڑھا، بہت زیادہ نک چڑھا اور کسی حد تک تنگ نظر آدمی تھا۔ وہ اس کمپنی میں ساجھیدار بھی تھا یعنی کچھ حصے کا مالک! ظاہر ہے اسے منافع سے مطلب تھا اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ! جب اس کی نظر میری مسواک پر پڑی تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ وہ کیا ہے

کہانی

اور میں کیوں اسے اپنی جیب میں لیے پھرتا ہوں۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں اس سے اپنا دانت صاف کرتا ہوں تو جانتے ہو اس نے کیا کہا۔ اس نے کہا تھا کہ میں ایک بہت دقیانوسی اور پرانے خیالات والا اور کم پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ میں اس کی کمپنی کو کیا فائدہ پہنچا سکوں گا۔ اس نے صاف طور پر مجھے کہہ دیا کہ ہم کسی ایسے آدمی کو کمپنی میں ملازم نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے ساری!

اب مجھے تو معلوم ہو ہی گیا تھا کہ یہاں مجھے نوکری نہیں ملنی ہے۔ نہیں سہی۔ میں نے سوچا اس نے مجھے جاہل دقیانوس اور گنوار تو بنا ہی دیا ہے اب میں کیوں اس کا دیا ہوا لیبل لے کر گھر جاؤں اور اندر ہی اندر کڑھتا رہوں۔ لہٰذا جو بھی ہو اس کو تو جواب دے کر ہی جانا چاہیے۔ بس پھر کیا تھا۔ میں نے کھڑے کھڑے مسواک کے بارہ فائدے اور چند سائڈ ایفکٹ بھی گنا دیے۔ میں تو پہلے ہی سے واپسی کے لیے کھڑا تھا اور چاہتا تھا کہ اپنی بات پوری کر کے باہر نکل جاؤں۔ مگر جانتے ہو میری باتوں کا اس پر کیا اثر ہوا۔ وہ حیرت سے منہ کھولے میرا منہ دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور بولا، ’’مسٹر افروز، آئی ایم ویری ساری! بٹ آپ کو ابھی اور اسی وقت اپائنٹمنٹ دیا جاتا ہے۔ جوائن دی ڈیوٹی فرام ٹوڈے اٹ سیلف!‘‘

افروز پھر سانس لینے کے لیے رکا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا، ’’میں بہت زیادہ حیرت زدہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نے تو مجھے ابھی کچھ دیر قبل فیل کر دیا تھا پھر اب ملازمت کیوں دے رہا ہے۔ تب وہ بولا ’وہ میری غلطی تھی۔ شاید اس کمپنی میں تم پہلے آدمی ہو گے جو اپنی معمولی سی چیز کی بھی اتنی خوبیاں گنوا سکتے ہو اور... اور ہمیں کیا چاہیے۔ ہمیں تو ایسا ہی آدمی چاہیے جو ہماری دواؤں کی خوبیاں ایسے گنوائے کہ سننے والا قائل ہو جائے۔‘ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے میں وہاں سروس کر رہا ہوں اور جانتے ہو مجھے پہلے ہی دن سے دوسروں سے زیادہ تنخواہ مل رہی ہے۔ یہ صرف اس لیے کہ میں اپنی چیز کو اچھا سمجھتا ہوں اور وہی دوسروں سے منواتا بھی ہوں۔ ایک تم ہو کہ تم خود ہی اپنی چیز کو نکما اور ناکارہ بتا رہے ہو۔ پھر دوسرے کیوں اسے مانیں گے۔ اب تم خود سوچ لو تمھیں کیا کرنا ہے!‘‘ اتنا کہہ کر افروز اپنے ابو کی طرف بڑھ گیا۔

دوسرے دن شجاع اپنے ابو کی لائی ہوئی ڈرائنگ بک لیے اسکول جا پہنچا اور تب سے اسی پر ساری ڈرائنگ بنا رہا ہے۔ اب اسے اپنی کسی بھی چیز کے متعلق کوئی شکایت نہیں ہوتی کیونکہ اب اسے ٹوٹی ہوئی تلوار سے جنگ لڑنے کا ہنر آ گیا ہے۔

(تعارف اپریل 2021 کے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

■

Dr. Iqbal Berki
155, MHADA, Noor Bagh
Malegaon - 423 203
Dist. Nasik (Maharashtra)
Mob. 8329273266.

جواب

1	جمنا	2	ٹوکیو	3	جنوبی کوریا	4	سیسمولوجی (Seismology)
5	رینڈم ایکسیس میموری	6	گجرات	7	1914	8	999
9	یوکلڈ (Euclid)	10	24 جنوری	11	ویاس	12	گردہ
13	روس	14	مولانا الطاف حسین حالی	15	365	16	گرین لینڈ
17	جواہر لعل نہرو	18	جلد	19	میجر دھیان چند	20	آسٹریلیا

کہانی

محمد موسیٰ رضا

جنگل میں منگل

دور دراز کے اُس جنگل کا ماحول بڑا پُرسکون تھا کیونکہ وہاں کے راجا نے قانون بنایا ہوا تھا کہ کوئی جانور کسی دوسرے جانور کو مار کر نہیں کھائے گا۔ شکار کرنا اس جنگل کے بنیادی قانون کے خلاف تھا جس کے لیے 'جنگل نکالا' کی سزا طے کی گئی تھی۔ چاہے خونخوار طاقت ور شیر ہو، چیتا ہو، باگھ ہو، لومڑی ہو؛ سب کے لیے ایک قانون تھا۔ یوں سمجھیں اس جنگل کے سبھی جانوروں کو 'شاکاہاری' بننا پڑا تھا۔ ایسے میں جنگلی پیڑ پودوں سے پیدا پھل، پھول اور میوے سب کے پیٹ بھرنے کے لیے کافی نہیں پڑ رہے تھے۔ تب جانوروں نے فیصلہ کیا کہ وہ کھیتی کریں گے۔ انھوں نے قسم قسم کے پودے اُگائے اور اپنے کھانے کا انتظام کیا۔

شکار پر پابندی کی وجہ سے اس جنگل کا ماحول ہی جدا تھا۔ سبھی جانور آپس میں مل جل کر رہتے۔ ایک دوسرے کے دُکھ درد کو بانٹتے۔ دوسروں کے کاموں میں مدد کرتے۔ نہ کہیں خون خرابہ، نہ کہیں خوف کا ماحول، نہ کوئی بڑا اور طاقتور، اور نہ ہی کوئی چھوٹا اور کمزور۔ یوں کہیں جنگل میں منگل تھا۔ ذات اور مذہب کے چکّر میں تو ویسے بھی جانور نہیں رہتے۔ سب کا دھرم ایک ہوتا ہے، سب کی ذات ایک ہوتی ہے۔ عموماً جانوروں کی ذات ان کی طاقت ہوتی ہے جس کا اُس جنگل میں کوئی مطلب نہیں تھا۔ مذہب کی غیر موجودگی میں وہ آپس میں لڑنے کٹنے مرنے مارنے سے بچ جاتے تھے۔

رسمی تعلیم حاصل کی ضرورت جانوروں کو نہیں ہوتی۔ پھر بھی ہم انسانوں کو بہت سی باتیں جانوروں سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔ وفاداری اور ایمانداری کا جو ثبوت جانوروں نے پیش کیا، انسان اس سے کوسوں دور ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی ضرورت بھی انھیں نہیں پڑتی۔ چڑیا بغیر کسی

ریسرچ کے ہی اڑنا سیکھ لیتی ہے۔ دن بھر میلوں سفر کرنے کے بعد رات کو اپنے گھونسلے میں واپس آ جاتی ہے جس کے لیے انھیں ’گوگل میپ‘ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دور بیٹھے کسی دوسری چڑیا سے باتیں کرنے کے لیے انھیں موبائل کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ تو خود وہاں پہنچ کر خیریت معلوم کر لیتی ہے۔ دیکھنے میں مخصوص قسم کی چڑیا یا جانور ایک جیسے معلوم پڑتے ہیں لیکن سب کی انفرادی شناخت ہوتی ہے جس کی پہچان اُنھیں ہوتی ہے۔

اب واپس جنگل کی طرف چلتے ہیں۔ دن مہینے سال گزرتے گئے، جنگل میں ہر طرف خوشی کا ماحول تھا۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل آئی۔ اس نے بھی اپنے اجداد کے رسموں اور اُن کے قانون کو اہمیت دی اور اسے جاری رکھا۔

جنگل کی رانی شیرنی اپنے محل کے جھروکھے سے جنگل کا نظارہ کر کے بہت خوش ہوتی۔ پاس ہی اس کے دو بچے، شہزادی اور شہزادہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ شہزادی بہت ہی ملنسار، نرم دل، میٹھی بولی بولنے والی، سب کی مدد کرنے والی تھی جبکہ شہزادہ ٹھیک اس کے مخالف تھا۔ بچپن سے ہی اُسے دیکھ کر نہ جانے کیوں جنگل کے دوسرے جانوروں کو وحشت ہوتی۔ وہ اپنے ماں باپ کی باتیں بھی نہیں مانتا تھا۔ شاید لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا۔ بچپن سے ہی وہ صرف اپنے آپ سے مطلب رکھتا، باقی کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کی بہن اس کو بہت سمجھاتی کہ وہ اپنے برتاؤ میں بدلاؤ لائے، کیونکہ ایک دن اُس کو اس جنگل کا راجا بننا ہے اور پورے جنگل پر حکومت کرنی ہے۔ وہ کہتی کہ ایسے برتاؤ راجا کو شوبھا نہیں دے گی۔ مگر شہزادہ کب سمجھنے والا تھا۔ شاید اسے شہزادہ ہونے کا گھمنڈ بھی بہت تھا۔

شہزادہ جب تھوڑا بڑا ہوا، تو اسے اپنے والد کے راج کاج میں کمیاں نظر آنے لگیں۔ وہ راجا کے فیصلوں سے متفق نہیں ہوتا، اور اپنی ناراضگی ظاہر کرتا۔ اس نے ہم خیال دوستوں کی ایک ٹولی بنالی، اور انھیں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگا۔ ایک دن شہزادے نے اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے محل سے بہت دور پکنک پر جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے والد کی بجائے اپنی ماں سے اس کی اجازت چاہی۔ لیکن ماں نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ وہ اپنے شوہر سے بغیر پوچھے اجازت نہیں دے سکتی۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ یہ لوگ اسے جانے نہیں دیں گے۔ اگلی صبح وہ چپکے سے بغیر بتائے اپنے دوستوں کے ساتھ گھنے جنگل کی طرف نکل گیا۔

بہت دور چلنے پر انھیں صاف پانی کی ایک ندی دکھائی دی۔ پہاڑی کے دامن میں ایک سندر سی گھاٹی بھی تھی۔ یہ جگہ انھیں پکنک کے لیے مناسب لگی۔ ان لوگوں نے دن بھر خوب مستی کی۔ کھیلے کودے اور سیر سپاٹے کیے۔ موسم بڑا سہانا تھا۔ انھوں نے طے کیا کہ آج کی رات وہ لوگ یہیں گزاریں گے۔ اپنے ساتھ لایا ہوا کھانا وہ دن میں ہی ختم کر چکے تھے۔ رات کو جب انھیں بھوک لگی تو وہ بے چین ہو اُٹھے۔ ان کی حالت ایسی تھی کہ بس کچھ بھی کھانے کو مل جائے۔ سامنے خرگوشوں کی بستی تھی۔ شہزادے کے ایک دوست نے صلاح دی کہ چلو، وہاں سے کچھ کھانا مانگ لاتے ہیں۔ شہزادے اور اس کے دوست اس بستی کی طرف چل پڑے۔ انھیں ایک ماند کے باہر ایک موٹا تازہ تندرست خرگوش سویا ہوا نظر آیا۔ کسی نے کہا کہ اس کو جگا کر کھانے کا انتظام کرنے کو کہتے ہیں، لیکن شہزادے نے اسے جگانے سے منع کر دیا۔ شاید اس کے شاطر دماغ نے کچھ اور ہی پلان کر لیا۔ اس نے خرگوش کے منہ پر اپنا ایک پنجا جکڑ دیا اور اپنے نوکیلے دانت اس کے نازک بدن میں گھسا دیے۔ بیچارہ خرگوش آہ تک نہیں کر سکا۔ وہ اسے لے کر واپس

پکنک کی جگہ پر آ گئے اور سب نے اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھرا۔

پیٹ بھر جانے کے بعد انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے جنگل کا قانون توڑا ہے۔ اب تو سزا ہو کر رہے گی۔ اور سزا شہزادے کے ساتھ اس کے دوستوں کو بھی ملے گی۔ راج کمار ڈر گیا۔ اب انھیں جنگل چھوڑنا پڑے گا۔ وہ کہاں جائیں گے۔ انسانوں کی بستی کی طرف؟ نا، نا، انھیں انسانوں کی بستی کا ماحول سوچ کر ہی ڈر لگنے لگا۔ انھیں پتہ تھا کہ انسان آپس میں کبھی ذات کی بنیاد پر، کبھی دھرم کے نام پر تو کبھی اپنی بالادستی کے لیے آپس میں لڑتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہاتے رہتے ہیں۔ وہ کسی کا قتل (شکار) اپنا پیٹ بھرنے کے لیے نہیں، بلکہ خودغرضی کے لیے کرتے ہیں۔ زمین کے ایک ٹکڑے کے لیے یہاں بھائی اپنے سگے بھائی کو مار ڈالتا ہے جس زمین کی جنگل میں کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ انسان تو اتنا بڑا گوشت خور ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے جانوروں سے لے کر چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو بھی چٹ کر جاتا ہے۔ ایسے میں وہاں انھیں زندہ کون چھوڑے گا؟ دوسرا جنگل وہاں سے ہزاروں میل دور تھا، جہاں تک زندہ سلامت پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ انھیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کریں۔ جب صبح ہوگی، اور یہ خبر ہر طرف جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی کہ شہزادہ اور اس کے دوستوں نے جنگل کا قانون توڑ کر ایک معصوم بے گناہ خرگوش کا شکار کیا ہے تو ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا۔ سب جانور ان سے نفرت کریں گے۔ سب کو معلوم تھا کہ ہم لوگ اس علاقے میں پکنک منا رہے ہیں، اس لیے اگرچہ کسی نے ہمیں شکار کرتے نہیں دیکھا، پر الزام تو ہمارے اوپر ہی لگے گا۔

شہزادہ اور اس کے دوست اس سوچ میں پڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے۔ ایسے میں اس ٹولی کے سب سے دُبلے پتلے اور کمزور، لیکن دماغ کی بہت شاطر، لومڑی نے کچھ مشورہ دیا، جس پر آخرکار شہزادہ بھی تیار ہو گیا۔ انھوں نے رات میں ہی تیز تیز قدموں سے اپنے گھر کا رخ کیا تاکہ صبح ہونے سے پہلے وہ اپنے گھروں میں پہنچ جائیں۔

صبح صبح جنگل میں منادی ہو رہی تھی کہ اب شہزادہ راجا بن گئے ہیں۔ اب جنگل پر اُن کی حکومت ہے۔ جنگل کے سبھی جانور ان کا حکم مانیں گے۔ یہ سن کر جنگل کے جانوروں میں کاناپھوسی ہونے لگی۔ ارے، راج کمار نے راجا اور رانی دونوں کا قتل کر دیا۔ لوگوں میں شہزادہ کا خوف بیٹھ گیا۔

اُدھر خرگوشوں کی بستی میں ماتم چھایا ہوا تھا۔ اُن کا سربراہ جو بہت بہادر اور ہمت ور تھا، اُسے شہزادے نے اپنا شکار بنا لیا تھا۔ وہ تو اپنے ماند سے باہر رہ کر اپنے نسل کے خرگوشوں کی رکھوالی کر رہا تھا کہ اُن پر کسی قسم کا حملہ نہ ہو کیونکہ اُنھوں نے شہزادے کو نزدیک ہی پکنک مناتے دیکھا تھا۔ خرگوشوں کو پہلے سے ہی شک تھا کیونکہ شہزادے کی ٹولی میں عیار لومڑی بھی تھی۔ اسی لیے اُن کے سربراہ نے اپنی پوری نسل کی حفاظت کا ذمہ خود اپنے سر لیا اور ماند سے باہر رہنے کا فیصلہ کیا۔ جانے کب اُسے نیند آ گئی جس کی وجہ سے سبھی خرگوش آج یتیم محسوس کر رہے تھے۔

شہزادہ جو اب راجا بن چکا تھا، کا یہ قاتل رویہ دیکھ کر دوسرے طاقتور جانور اب کمزوروں کا شکار شروع کر چکے تھے اور اس طرح جنگل پھر جنگل بن گیا تھا۔ پھر بھی جنگل انسانوں کی بستی سے بہت بہتر تھا۔

■

Mohammad Musa Ansari
Sahitya Akademi
New Delhi-110001

جستجو کا سفر

ریاض اختر شفیق

حامد اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا۔ نہایت شریف، ایمانداری اور خوش گفتاری اس کی خاص صفت تھی۔ بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں پر شفقت بھری نگاہیں ڈالنا اس نے اپنے والد سے سیکھا تھا۔ ان کے والد بھی بیٹا کی بہتر تربیت کے لیے کوشاں رہتے، ہمیشہ حامد کو زندگی کے بنیادی اور ضروری اصولوں پر کاربند ہونے کی نصیحت کرتے کہ بیٹا حالات جیسے بھی ہوں زندگی میں دین داری اور ایمانداری کو سینے میں بسائے رکھنا۔ حالات تبدیلی کا دوسرا نام ہے وہ کبھی یکساں نہیں رہتے۔ حامد ان باتوں پر سختی سے عمل پیرا ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں اور محلے کے لوگ بھی حامد پر ہر وقت شفقت کی نظر ڈالتے اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازتے۔ بلکہ بعض لوگ تو اپنے اولاد کی تربیت کے معاملے میں بطور مثال حامد کا نام لیتے۔ ایک دن کی بات ہے اچانک حامد کے والد کسی بڑی بیماری کے شکار ہوگئے اور لاکھ علاج کے باوجود موت نے انھیں نگل لیا، اس وقت حامد کی عمر محض تیرہ سال تھی۔ اس حادثے نے حامد اور ان کی والدہ کو اندر سے ریزہ ریزہ کر دیا، زندگی کی ساری روانی یک لخت بدل گئی، سوچ وفکر کی ساری بلندی ڈھ گئی۔ ماں اور بیٹے کی زندگی بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ گزر رہی تھی۔ زندگی گزارنا ان دونوں کے لیے بہت کٹھن ہوگیا تھا، آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ والد گرامی کی جمع شدہ رقم دھیرے دھیرے ختم ہوگئی تھی، حامد اس قابل نہیں تھا کہ کہیں جا کر مزدوری کرتا اور دو پیسے کما کر گھر کے لیے ضروری سامان لاتا۔ لیکن بھوک ایک فطری مرض ہے جو ہر طرح کے اذیتی پہلو برداشت کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے۔

حامد ایک روز گھر سے تھک ہار کر روزی کی تلاش میں نکل پڑا۔ در بدر کام کے لیے بھٹکتا، دو پیسے کمانے کی سوچتا، حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے اسباب تلاش کرتا۔ اچانک ایک ہوٹل کے سامنے لگی بھیڑ پر اس کی نگاہ ٹھہری۔ قریب جانے سے معلوم ہوا کہ ہوٹل مالک کو چند مہتر کی ضرورت ہے اور وہ لوگوں سے باری باری امتحان لے رہا ہے۔ حامد نے اس موقع کو بہت غنیمت جانا اور بغیر کسی تاخیر کے اسی صف میں داخل ہوگیا۔ دوسروں کی طرح حامد کو بھی ہوٹل کا ایک گوشہ صفائی کرنے پر معمور کیا گیا، حالات سے مجبور، مفلسی کی چادر میں لپٹا حامد بڑی محنت اور توجہ سے اس گوشے کی جھاڑ پوچھ کی۔ اس کی ہر چیز کو اچھے ڈھنگ سے سجایا۔ اس کی کارکردگی کی تعریف وہاں موجود سارے لوگوں نے کی اور آخر میں ہوٹل کے مالک نے کہا آپ سب اپنا آئی کارڈ اور ای میل جمع کردیں تاکہ منتخب حضرات کو خبر کیا جاسکے۔ لیکن بے بس حامد دنیاداری کے اصول سے غافل اور ناواقف تھا۔ اس نے تو صرف خوش اخلاقی اور نیک نامی کو اپنی زندگی کا مرکز بنایا تھا۔ وہ ان سب چیزوں کی طرف کبھی غور نہیں کیا تھا چنانچہ اس نے معذرت کی اور کہا۔ میرے پاس نہ تو آئی کارڈ ہے اور نہ ہی ہم نے اب تک کوئی ای میل وغیرہ بنایا ہے۔ افسوس اور ندامت کو ساتھ لیے حامد ہوٹل سے باہر نکلا اور دل میں سوچتا رہا کہ آسمان اور زمین میں کیا کوئی ایسا نہیں جو مجھے کوئی کام دلائے، والدہ کی نم آنکھوں کو پونچھ دے اور ہم دونوں کی زندگی میں تھوڑی خوشحالی آجائے... پھر اس کی نظر سامنے ایک سبزی فروش پر پڑی جو روزانہ سڑک کنارے ٹھیلہ لگاتا اور اس آمدنی سے اپنے بال بچوں کو پالتا تھا۔ حامد وہاں رک کر سبزی فروش کی کیفیت معلوم کیا اور مطالبہ کیا کہ برائے مہربانی ہمیں بھی کسی کام میں لگادیں... لہٰذا اس سبزی فروش نے اپنا پیشہ اور اس سے متعلق سارے گر بتائے اور کہا میں کم و بیش سو ڈیڑھ سو روزانہ کما لیتا ہوں جس میں گھر بار چل جاتا ہے اور اگر تمھیں یہ کام اچھا معلوم ہو رہا ہے تو شروع کردو... اس سبزی فروش کی بات حامد کو بڑی اچھی لگی اور وہ ایک نئے حوصلے اور ہمت کے ساتھ کاروبار میں مشغول ہوگیا۔

اب وہ روز صبح سے شام تک سبزی بیچتا۔ ہر گراہک سے بھی بہت مہذب اور سلیقے سے بات کرتا۔ کوئی بھی خریدار اس کے یہاں آتا وہ نہایت برابری سے سامان تولتا اور بڑے اخلاق مندی سے پیش کرتا۔ کچھ ہی دنوں میں حامد کا تعلق لوگوں سے کافی اچھا ہوگیا، کم دنوں میں اس کے کاروبار میں دن دگنی رات چوگنی ترقی ہوئی، اب وہ ایک اور شخص کو دکان پر بٹھاتا اور خود گھر گھر سبزی پہنچاتا لہٰذا کچھ ہی مدت میں اس کے کام میں بہت برکت ہوئی اور اس کی تجارت کو اتنا عروج نصیب ہوا کہ ایک دن حامد اسی سبزی منڈی کا مالک بن گیا اس کا شمار شہر کے رئیس ترین لوگوں میں ہونے لگا... اب کیا تھا ہر سبزی فروش حامد ہی سے سامان لے کر الگ الگ بیچتے اور مناسب قیمت کے سبب دور دور سے لوگ اس سے سامان خریدنے لگے۔ ہر کوئی حامد سے بہتر تعلق رکھنے کی کوشش کرتا اور اس کی شہرت شہر کے نامی تاجر میں ہونے لگا۔

ایک دن بینک منیجر نے حامد کو فون کیا اور کہا کہ آپ اتنی بڑی رقم کے مالک ہیں کیا ہی بہتر ہوتا کہ آپ بیمہ کرالیتے تاکہ آپ کے بعد آپ کے بچوں کا بھی بھلا ہوتا اور اس بیمہ کے ڈھیر سارے فوائد بتائے۔ حامد بھی بیمہ کرانے پر راضی ہوگیا۔ بیمے کی کارروائی کے دوران بینک منیجر نے کہا کہ آپ ایک ای میل دے دیں یہ سنتے ہی حامد کی نظر کے سامنے ماضی کے حالات گردش کرنے لگے وہ

کہانی

سوچنے لگا کہ ایک ای میل ہی کی خاطر آج سے کئی سال پہلے میں ایک مہتر کی نوکری کرنے سے محروم رہا اس نے فوراً بینک منیجر سے معذرت کی اور کہا۔ سر! میرے پاس اب تک کوئی ای میل نہیں ہے۔ حامد کے اس جواب سے منیجر حیرت میں پڑ گیا کہ اتنے بڑے کاروبار کا مالک ہونے کے باوجود بھی ان کے پاس ایک ای میل نہیں ہے!!!! بالآخر منیجر بولا سر اگر آپ کے پاس پہلے سے ای میل ہوتا تو شاید آپ ابھی کہیں اور ہوتے... یہ سن کر حامد کی آنکھیں بھر آئیں اور دبے الفاظ میں کہا بالکل منیجر صاحب! اگر میرے پاس پہلے سے ای میل موجود ہوتا تو آج ہم کسی ہوٹل کی صفائی کر رہے ہوتے بس اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پھر حامد نے ماضی کی ساری روداد منیجر کو سنایا اور پھر دونوں ایک دوسرے سے گلے لگ کر سرد آہیں لی اور جدا ہو گئے۔

عزیز بچو! زندگی میں آپ کے پاس کامیابی کی ڈھیر ساری راہیں ہیں جنھیں آپ بہت مشکل سمجھتے ہو اور اس جانب بالکل کوشش نہیں کرتے حالانکہ اس طرح کی راہوں میں کامیابی کے امکانات زیادہ ہو سکتے ہیں۔ جس طرح حامد نے اپنی کوشش کو جاری رکھا ایک ادنی سے کاروبار کو اپنا کر ایک بلند پایہ تاجر بن گیا اور زندگی میں ایک کامیاب شخص بن کر نمودار ہوا لہٰذا آپ بھی عزم و حوصلہ کو ہمیشہ بلند رکھیے اور قوم و ملت کے لیے بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کیجیے۔ اللہ ہم سب کو اپنے مقصد میں کامیاب کریں۔ آمین

■

Mohd Reyazuddin
Sandwara , Madhurapur
Bajpatti
Seetamarhi - 843314 (Bihar)
Mob.: 9162090838

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ / منی آرڈر .... بتاریخ ....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زر تعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 , Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

قسط وار ناول

قسط 1

جنگل کی کہانی

رمیش نارائن تیواری

مترجمہ

زینت شہریار

پیارے بچو! ہر عمر کے لوگوں کو قصے اور کہانی سننے کا شوق ہوتا ہے ، خاص طور پر بچپن میں کہانیوں سے دلچسپی ہوتی ہے اورسبق آموز کہانیوں سے بہت کچھ سیکھتے بھی ہیں۔ اسی وجہ سے دادی، نانی اور امی وغیرہ سے کہانیاں سنانے کی فرمائش کرتے ہیں۔ بچوں کی پسندیدہ چیزوں میں جنگل اور جنگلی جانور کافی اہمیت کے حامل ہیں، بچے ٹیلی ویژن پر بھی ایسے کارٹون اور کہانیاں شوق سے دیکھتے ہیں۔

'جنگل کی کہانی' رمیش نارائن تیواری کی عمدہ کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ زینت شہریار نے کیا ہے ، بھیڑیا، شیر، بندر، اژدہا، موگلی اور فا وغیرہ اس کتاب میں بیس کہانیاں شامل ہیں جو آپس میں مربوط ہیں۔ بچوں کی دلچسپی اور پسند کے پیش نظر 'جنگل کی کہانی' کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے امید ہے کہ اسے آپ پسند کریں گے اور ان سے سبق بھی حاصل کریں گے ۔(ادارہ)

موگلی بھیڑیے کی مانند

شام کے سات بجے تھے۔ سِٹنی کی پہاڑیوں کی شام عام دنوں کی بہ نسبت کچھ سرد تھی۔ دن بھر کے آرام کے بعد دادا بھیڑیا نے اپنے جسم کو کھجلایا، ایک لمبی جماہی لی اور پھر اپنے پور پور میں گھسی سستی کو دور کرنے کے لیے ایک ایک کر کے چاروں پنجے تانے۔ کچھ دور پر اماں بھیڑیا لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے بھاری منھ کے نیچے چار چھوٹے چھوٹے بچے کھدربدر کر رہے تھے۔ غار کے منھ سے چاند کی ہلکی باریک کرنیں اندر آ کر دھندلی روشنی بکھیر رہی تھیں۔

''آر......غرر......ر'' دادا بھیڑیا کے منھ سے گہری غراہٹ نکلی۔''شکار پر جانے کا وقت ہوگیا'' کہتا ہوا وہ باہر نکلا۔ وہ نیچے کی چٹان پر چھلانک لگانے ہی جا رہا تھا کہ اچانک ٹھہر گیا۔ اس نے دیکھا، جھاڑی دار دم والی پرچھائیں سی کوئی چیز غار کے نزدیک کھڑی ہے۔ اس نے قریب آ کر کہا۔''او بھیڑیوں کے سردار! قسمت تمھارا ساتھ دے۔ خدا کرے تمھارے بچوں کے دانت خوب سفید اور مضبوط ہوں۔ قسمت ہمیشہ ان پر مہربان رہے۔ وہ بھی دنیا کے ننگے، بھوکوں کا ہمیشہ خیال رکھیں۔''

یہ تبا کی نام کا گیدڑ تھا۔ بھارت کے بھیڑیے گیدڑ سے نفرت کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ گیدڑ طبعاً جھوٹن خور اور پتل چٹور ہوتا ہے۔ چغل خوری کی عادت ہونے کے باعث وہ ادھر ادھر لگاتا پھرتا ہے۔ وہ گاؤں کے کوڑادانوں سے گوشت کے ٹکڑے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھاتا ہے اور دنیا بھر کی سازشیں کرتا ہے۔ لیکن نفرت کرنے کے ساتھ ہی بھیڑیے اس سے ڈرتے بھی ہیں کیونکہ گیدڑ ان جانوروں میں سے ہے جو اکثر پاگل بھی ہوجاتے ہیں۔ پاگل گیدڑ یہ بھول جاتا ہے کہ وہ کبھی کسی چیز سے ڈرتا بھی تھا۔ تب وہ جنگل بھر میں ادھر ادھر بولایا پھرتا ہے اور جو بھی سامنے پڑ جائے اسے کاٹ لیتا ہے۔ باگھ تک پاگل گیدڑ سے ڈرتا ہے ، اور اس کا سامنا ہوجانے پر

بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ جنگل کے جانور پاگل پن کو بہت شرمناک بیماری سمجھتے ہیں۔

''اچھا اندر دیکھ لو۔ لیکن وہاں کچھ کھانے کو ہے نہیں'' دادا بھیڑیا اندر ہی اندر سوکھتا ہوا سا بولا۔

''ہاں! ایک بھیڑیے کے کھانے کے لائق سچ مچ کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن مجھ جیسے حقیر جانور کے لیے تو ایک سوکھی ہڈی ہی کافی ہے۔ پھر ہم گیدڑوں کو پسند ناپسند کا اختیار ہی کہاں ہے؟' یہ کہتا ہوا تبا کی غار میں داخل ہو گیا وہاں سب سے پچھلے حصے میں اس نے ایک بیل کی ہڈی ڈھونڈ نکالی جس میں کچھ گوشت اب بھی لگا ہوا تھا۔ ہڈی لے کر وہ آرام سے بیٹھ کر شوق سے ہڈی توڑنے لگا۔

''اس عمدہ کھانے کے لیے بہت بہت شکریہ'' ہونٹ چاٹتے ہوئے تبا کی نے کہا۔ ''اہا۔۔ نیک بچے کیسے تندرست ہیں اور ان کی آنکھیں کتنی بڑی بڑی ہیں میں تو جیسے بھول ہی گیا تھا کہ راجاؤں کے بچے بھی ایسے ہی خوب رو ہوتے ہیں۔''

یہ بات سبھی جانتے ہیں اور تبا کی بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ بچوں کے منہ پر ان کی تعریف کرنا بدشگونی ہوتی ہے۔ انھیں نظر لگ جاتی ہے۔ اپنے بچوں کے سامنے ان کی تعریف ہوتے دیکھ کر دادا اور اماں بھیڑیا اندر اندر بے چین ہوا تھے۔ ان کی بے چینی دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوا تبا کی تھوڑی دیر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ پھر وہ بڑے معنی خیز لہجے میں بولا۔

''شیر خاں نے شکار کرنے کی اپنی جگہ بدل دی ہے اور وہ مجھے بتا رہا تھا کہ اگلی پورن ماسی تک وہ انھی پہاڑیوں میں شکار کرے گا۔''

شیر خاں ایک باگھ تھا۔ جو شنی کی پہاڑیوں سے بیس میل

دور بان گنگا کے قریب رہتا تھا۔

''اسے ایسا کرنے کا کوئی حق نہیں ہے'' دادا بھیڑیا ایک دم غصہ ہوکر بولا۔ جنگل کے قانون کے مطابق پہلے سے خبر دیے بغیر اسے شکار کی جگہ بدلنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ یہاں کے دس میل ارد گرد کے سب جانوروں کو ڈرا کر بھگا دے گا اور یہاں حال یہ ہے کہ آج کل مجھے دو کے برابر شکار اکیلے ہی کرنا پڑتا ہے۔''

''شیر خاں کی ماں اسے یوں ہی لنگڑا کہہ کر نہیں پکارتی تھی'' اماں بھیڑیا متانت سے بولی۔ پیدائشی لنگڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ صرف پالتو جانور مار تا رہتا ہے بان گنگا کے گاؤں والے اس سے ناراض ہوگئے ہیں اس لیے وہ ادھر بھاگ آیا ہے۔ وہ ہمارے گاؤں والوں کو بھی ناراض کردے گا۔ وہ تو ہمارے گاؤں والوں کے مویشی مار کر کہیں دور بھاگ جائے گا اور گاؤں والے اس کی تلاش میں جنگل چھانتے پھریں گے۔ وہ جھاڑیوں اور گھاس میں آگ لگا دیں گے اور تب ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ اپنی ماند چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ اس کے لیے ہم شیر خاں کے بڑے ہی احسان مند ہیں۔''

''کیا میں شیر خاں سے تمھاری ہمدردی جتانے کی بات کہہ دوں؟'' تباکی نے دریافت کیا۔

''نکل باہر! جا، اپنے مالک کے ساتھ شکار کر''۔ دادا بھیڑیا آپے سے باہر ہوکر بڑے زور سے بگڑا'' آج کی رات برباد کرنے کے لائق تو کافی کام کر چکا ہے۔''

ڈھیٹ تباکی نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ''اچھی بات ہے میں جاتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو نیچے گھاٹی میں شیر خاں کی آواز سن سکتے ہو۔ میں نے یہ خبر دے کر بیکار برائی مول لی۔'' اور یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلتا بنا۔

دادا بھیڑیا نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی۔ دور کی گھاٹی میں جس کی ڈھلان ایک چھوٹی سی ندی کے پاس جا کر ختم ہوتی تھی، اسے ایک باگھ کی رندھی اور جھنجلائی ہوئی گرج سنائی دی۔ یہ ایک ایسے باگھ کی گرج تھی جو ابھی ایک بھی شکار نہیں مار سکا تھا۔ لیکن اسے اس بات کی نہ تو کوئی شرم تھی اور نہ ہی پرواہ تھی کہ سارا جنگل اس بات کو جانتا ہے۔

''بیوقوف کہیں کا!'' بھیڑیا غرایا۔ ''رات کا کام ایسی آواز کے ساتھ شروع کر رہا ہے جیسے سمجھتا ہے کہ ہمارے جنگلوں کے ہرن اور سانبھر بان گنگا کے پالتو اور موٹے بیلوں کی طرح ہیں۔''

''ہشو! آج رات نہ تو وہ جنگلی ہرن مار رہا ہے اور نہ پالتو بیل'' اماں بھیڑیا دبی زبان میں بولی۔ ''آج رات شیر خاں جس کا شکار کر رہا ہے وہ تو کوئی آدمی ہے۔''

شیر خاں کے منھ سے نکلنے والی گرج اس وقت ہلکی گنگناتی ہوئی غراہٹ میں بدل گئی تھی۔ یہ غراہٹ سارے جنگل میں پھیل کر کے سبھی اطراف سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ یہ ایسی غراہٹ تھی جسے سن کر کھلے میدان میں سوتے ہوئے بنجاروں اور لکڑی کاٹ رہے لکڑہاروں کے ہوش گم ہوجاتے ہیں۔ غراہٹ کی یہ عجیب آواز سن کر وہ دہشت زدہ ہوجاتے ہیں۔ کبھی کبھی تو گھبراہٹ میں بھاگتے ہوئے وہ اس عجیب وغریب آواز سے متاثر ہوکر سیدھے باگھ کے منھ کے سامنے پہنچ جاتے ہیں۔

''آدمی'' دادا بھیڑیا نے اس طرح کہا کہ اس کے سب سفید دانت مسوڑھوں تک کھل گئے۔ ''کیا تالابوں میں مینڈکوں اور کچھوؤں کی کمی ہوگئی ہے جو اسے آدمی کھانے کے لیے مجبور ہونا پڑے گا؟ اور پھر وہ بھی ہماری سرحد کے اندر''۔ جنگل کا قانون ایسا کوئی حکم نہیں دیتا جس کا کوئی ٹھوس سبب نہ ہو۔ یہ قانون جنگل کے کسی جانور کو انسان مارنے کا حق نہیں

دیتا۔ کوئی جانور آدمی کو تبھی مار سکتا ہے جب وہ اپنے بچوں کو شکار کرنا سکھا رہا ہو۔ لیکن اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اس مقصد سے کیا جانے والا آدمی کا شکار اپنے گروہ کے شکار گاہ کی سرحد سے باہر، کہیں دور کے جنگل میں کیا جائے۔ آدمی مارنے پر روک لگانے کی ایک ٹھوس وجہ ہے۔ آدمی مارنے کا مطلب ہوگا دیر سویر ہاتھی پر چڑھے ہوئے بندوق بردار شکاریوں اور ان کے ساتھ ساتھ ڈھول، تر ہی، پٹاخے اور جلتی مشعلیں لیے ہوئے سینکڑوں ہانک لگانے والوں کی آمد، اور ایسے وقت میں سارا جنگل مصیبت میں پڑ جاتا ہے۔ یوں آپس کی بات چیت میں جنگل کے جانور انسان کو نہ مارنے کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ چونکہ انسان جانداروں میں سب سے کمزور اور اپنی حفاظت کے لیے خود کفیل نہیں ہے چنانچہ اسے چھونا شان کے خلاف ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آدم خور جانور کے دانت گر جاتے ہیں اور اس کا جسم عجیب سوکھا سا گندہ اور بے رونق ہو جاتا ہے۔ یہی بات سچ بھی ہے۔ دھیرے دھیرے غراہٹ کی آواز تیز ہونے لگی اور پھر ایک دم دہاڑ میں بدل گئی۔ ایسی دہاڑ جو حملہ کرتے وقت باگھ کے گلے سے نکلتی ہے۔ اس کے فوراً بعد شیر خان کے منھ سے پیں پیں جیسی ایک ہلکی چلانے کی عجیب وغریب آواز نکلی جیسی کسی باگھ کے منھ سے کبھی نہیں نکلتی۔ مادہ بھیڑیا کان لگائے بہت غور سے سن رہی تھی۔ آخری آواز سنتے ہی وہ سب کچھ سمجھ گئی۔ وہ بولی۔ ''شیر خان شکار میں چوک گیا ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ آخر کس چیز کا شکار کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

دادا بھیڑیا غار کے دہانے سے تھوڑی دور تک معلوم کرنے گیا۔ تب ہی اسے شیر خاں کی غصے سے کانپتی ہوئی بڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑبڑاتا جاتا تھا اور ساتھ ہی نیچے کی جھاڑیوں میں پھنستا الجھتا ادھر ادھر کچھ ڈھونڈتا جاتا تھا۔

''اس بیوقوف کو بالکل تمیز نہیں ہے۔ وہ ایک لکڑ بارے

کے ذریعہ جلائے گئے الاؤ پر کود پڑا اور اپنے پیر جلا لیے ہیں۔
''دادا بھیڑیا نے گلے سے بے چینی ظاہر کرنے والی ایک بھاری آواز نکالتے ہوئے کہا۔''تبا کی اس کے ساتھ ساتھ ہے۔''

تبھی اماں بھیڑیا کا ایک کان کھڑا ہو گیا۔ وہ ہوشیار کرنے والی آواز میں بولی۔'' کوئی چیز شاید اوپر کی طرف چڑھ رہی ہے، تیار ہو جاؤ''۔

اسی وقت سامنے گھنی جھاڑیوں میں کچھ سرسراہٹ ہوئی۔ دادا بھیڑیا اپنے پچھلے پاؤں سمیٹ کر جھپٹا مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ دوسرے لمحے وہ اچھلا۔ اگر آپ پوشیدہ حالت میں وہاں موجود ہوتے تو اس وقت اپنی دنیا کا سب سے عجوبہ کمال دیکھا ہوتا کہ چھلانگ لگائے ہوئے ایک بھیڑیے کو ہوا میں آدھے ہی راستے میں جیسے ایک دم روک لیا گیا ہو۔ دادا بھیڑیا یہ دیکھے بغیر کہ آخر وہ کس چیز پر جھپٹنے جا رہا ہے، اچھلا تھا۔ پھر آدھی چھلانگ میں ہی اس نے اپنے کو ایک دم روکنے کی کوشش کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہوا میں سیدھا تین چار فٹ اوپر تک گیا اور لگ بھگ اسی ڈھب سے واپس اسی جگہ آ پڑا جہاں سے اس نے چھلانگ لگائی تھی۔

''آدمی''۔ وہ چیخا۔''انسان بچہ! دیکھو!''

دادا بھیڑیا کے ٹھیک سامنے جھاڑی کی ایک نیچی شاخ پکڑے ایک ننگا سانولا بچہ کھڑا تھا۔ اتنا ننھا سا تھا وہ کہ جیسے حال ہی میں اس نے چلنا سیکھا ہو۔ ایسا نازک اور گول مٹول چھوٹا سا جاندار اس سے پہلے شاید ہی کسی بھیڑیے کی ماند میں آیا ہو گا۔ اس نے دادا بھیڑیا کے منھ کی طرف دیکھا اور کلکاری مار کر ہنس پڑا۔

''کیا وہ آدمی کا بچہ ہے؟''۔ اماں بھیڑیا نے بے صبری سے دریافت کیا۔''میں نے آج تک آدمی کا بچہ نہیں دیکھا ہے۔ اسے اندر لے آؤنا''۔

بھیڑیا اپنے بچوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منھ میں پکڑ کر لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر وہ ایک انڈے کو بھی اپنے منھ میں اس طرح پکڑ کر اٹھا سکتا ہے کہ وہ ٹوٹے نہیں۔ دادا بھیڑیا نے اپنے جبڑے انسان بچے کی پیٹھ پر کس دیے اور اسی طرح اس کو اٹھائے ہوئے اپنے بچوں کے بیچ رکھ دیا۔ پھر بھی بچے کے نازک جسم پر ایک کے تیز دانتوں کی ایک خراش تو کیا، معمولی نشان تک نہیں پڑا۔

''آہ، کتنا ننگا، کتنا ننھا اور کتنا بہادر!'' اماں بھیڑیا شاداں لہجے میں بولی۔ انسان بچہ بھیڑیا بچوں کے بیچ میں گھس کر اماں بھیڑیا کی گرم روئیں دار کھال تک پہنچنے کی کوشش میں دھکیل رہا تھا۔'' آہا یہ تو اوروں کے ساتھ میرا دودھ پی رہا ہے۔ یہی ہے جسے انسان بچہ کہتے ہیں؟ اچھا بھلا یہ تو بتاؤ کہ کیا کبھی کوئی ایسا بھیڑیا ہوا ہے جسے اپنے بچوں کے بیچ ایک آدمی کا بچہ پالنے کا شرف حاصل ہوا ہو؟''

''میں نے کبھی کبھی اس طرح کی بات سنی ہے تو سہی مگر نہ تو ہمارے گروہ میں ایسا کبھی ہوا اور نہ میرے زمانے میں ہی کہیں ایسا کوئی واقعہ ہوا'' دادا بھیڑیا نے جواب دیا۔''اس بچے کے بدن پر تو بالکل بال ہی نہیں ہے۔ یہ بالکل ننگا ہے میں اسے اپنا ایک پنجہ چھو کر مار سکتا ہوں۔ لیکن ذرا دیکھو تو۔ یہ تو ہماری طرف بالکل نڈر ہو کر دیکھتا ہے، بالکل ڈرتا نہیں۔''

جاری.......

■

ماخذ: جنگل کی کہانی: رمیش نارائن تیواری، **مترجمہ:** زینت شہریار، **دوسری اشاعت:** 2022، **ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

حقانی القاسمی

خوش خوش بچے اونچے درجے

یہ انگریزی کتاب کا اردو روپ ہے!

ڈاکٹر حلیمہ سعدیہ کا تعلیم و تربیت کے مسائل اور متعلقات سے گہرا سروکار ہے۔ انھوں نے اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں انگریزی میں

Make them happy: Make them Great

کے عنوان سے ایک کتاب تحریر کی ہے۔ جس کا اردو ترجمہ منصور شاہ اردو ہائی اسکول بیڑ مہاراشٹر کے صدر مدرس ہفت روزہ 'بیڑ اذان' کے چیف ایڈیٹر اور معروف مترجم ڈاکٹر محمد صفی انوری نے کیا ہے۔ انھوں نے صرف ترجمے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کتاب میں ترمیم و اضافے سے بھی کام لیا ہے، جس سے کتاب کی افادیت اور معنویت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا ہے۔

اردو میں تعلیم و تربیت کے طریق کار پر عصری مقتضیات سے ہم آہنگ کتابیں بہت کم ہیں۔ اس کے برعکس انگریزی میں اس موضوع پر کتابوں کا انبار ہے۔ ڈاکٹر حلیمہ سعدیہ کی اس کتاب کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اس میں فلسفیانہ یا فرسودہ ڈسکورس نہیں بلکہ تجربی اور مشاہداتی ڈسکورس (Emprical and observational discourse) ہے۔

اس کتاب میں کہیں کہیں تمثیلی اور حکائیہ انداز میں بچوں کی تعلیم و تربیت کی مبادیات، مبانی، محرکات اور مقاصد وغیرہ کے حوالے سے معروضی گفتگو کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر اس کتاب کی حیثیت ایک 'ہدایت نامہ' کی سی ہے۔ اس میں ہر اس مسئلے پر روشنی ڈالی گئی ہے جس کا تعلق بچوں اور والدین سے ہے۔ وہ تمام موضوعات جن کا بچوں کی تعلیمی زندگی سے گہرا تعلق ہے ان کا اس کتاب میں بہت عمدگی سے احاطہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے پرکشش اور جاذب نظر عنوانات سے یہ اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ اس کتاب کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

بچوں کے تئیں والدین کا رویہ، طرز عمل اور بچوں کے تعلیمی تربیتی مسائل اور ان کی کریئر سازی وغیرہ کے حوالے سے نہایت مفید کتاب ہے۔ انھوں نے والدین کے مربیانہ کردار پر بھی گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ بنیادی طور پر ابتدائی مرحلے میں والدین ہی استاد ہوتے ہیں اور انہی کی گود بچے کا پہلا مدرسہ اور پہلی تربیت گاہ ہے۔ مہاتما گاندھی کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ ''ہر گھر ایک یونیورسٹی ہوتا ہے اور والدین استاد ہوتے ہیں۔'' اس کی روشنی میں دیکھا جائے تو بچوں کے لیے خشت اوّل ان کے ماں باپ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے حلیمہ سعدیہ نے 'والدین بچوں کے استاذ' کے عنوان سے بہت قیمتی باتیں تحریر کی ہیں جن سے والدین کو بچوں کے تئیں اپنی ذمے داریوں کا احساس ہو۔ اسی ذیل میں انھوں نے سات حرفی لفظ 'Teacher' کے تعلق سے نہایت خوبصورت اشارے کیے ہیں۔ 'T' یعنی Time (وقت)، 'E' Emotions (جذبات)، 'A'

یعنی Acquire (حاصل کرنا)، 'C' یعنی Coach (مربی)، 'H' یعنی Help (مدد)، 'E' یعنی Encourge (ہمت افزائی)، 'R' یعنی Responsible (ذمے دار)۔ 'Teacher' کے ان سات حرفوں سے استاد کے منصب وکردار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر حلیمہ سعدیہ کی اس کتاب کا ارتکاز بنیادی طور پر والدین پر ہے۔ اس لیے اس کتاب میں والدین بہ حیثیت قصہ گو، والدین بچوں کے ماہر نفسیات، والدین بچوں کے کھیل کود کے ساتھی، والدین بچوں کے رہنما، بات بات پر غصہ کرنے والے والدین، والدین بچوں کے دوست، والدین بچوں کے مشیر، دیکھ بھال کرنے والے والدین، والدین بچوں کے جج، والدین بچوں کے قائد جیسے عنوانات کے تحت والدین کی ذمہ داریوں کا تعین کیا ہے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں سب سے اہم، فعال اور قائدانہ کردار والدین ہی ادا کر سکتے ہیں اور والدین ہی بچوں کے دل و دماغ کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ ان کا مشفقانہ اور مثبت رویہ بچوں کے ذہن پر خوش گوار اثر مرتب کر سکتا ہے۔ والدین کی ہی توجہ سے بچوں کو کامیابی اور کامرانی نصیب ہوگی۔ ان کی ذرا سی بے توجہی بچوں کے مستقبل کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

والدین ہی بچوں کو آدابِ معاشرت صحیح طور پر سکھا سکتے ہیں، رذائل سے بچا سکتے ہیں، ان کی خود اعتمادی کو بڑھا سکتے ہیں اور انھیں نظم وضبط کا عادی بھی بنا سکتے ہیں۔ انھوں نے ہیلن کیلر کی بہت اچھی مثال دی ہے کہ وہ سماعت اور بصارت سے محروم تھی، لیکن نظم وضبط کی وجہ سے وہ نہ صرف کئی کتابوں کی مصنفہ بنیں بلکہ امریکن فاؤنڈیشن فار بلائنڈ میں کام کرتے ہوئے ایک مثالی شخصیت بن گئیں اور انھیں بہت سے انعامات بھی ملے۔

انھوں نے معذور بچے کی پرورش اور تعلیم وتربیت پر بھی

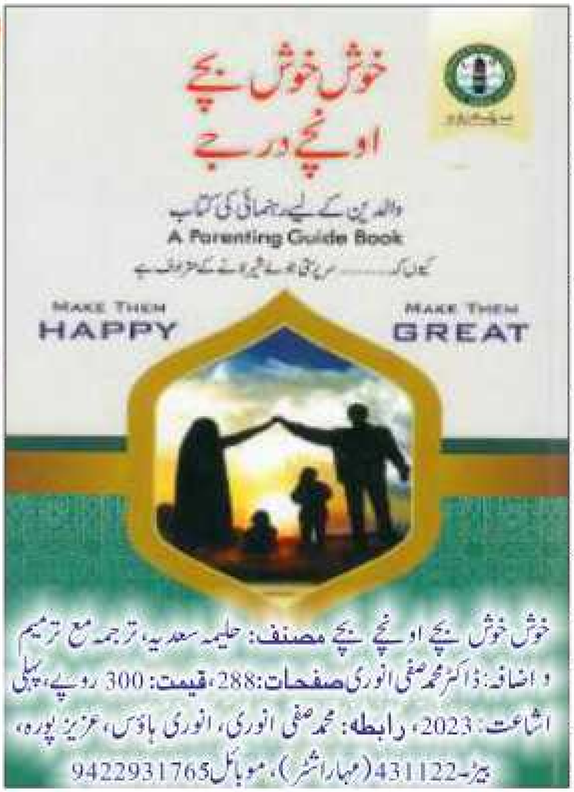

اچھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ معذوری بچوں کے روشن مستقبل کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ معذور بچے بھی کامیابی اور کامرانی کی تاریخ رقم کر سکتے ہیں، اس ذیل میں انھوں نے مشہور مصری ادیب طہٰ حسین کا حوالہ بھی دیا ہے جو تین سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے مگر اپنی محنت اور جدوجہد سے انھوں نے عالمی ادب میں اپنی ایک واضح شناخت بنائی اور مصر کے ثقافتی امور کے وزیر بھی بنے۔

حلیمہ سعدیہ کو اپنی بات کہنے کا سلیقہ اور ہنر آتا ہے کیونکہ کئی اداروں سے ان کی تدریسی وابستگی رہی ہے، اس دوران انھوں نے بچوں سے Interaction کے ذریعے ان کے مسائل جذبات، احساسات جاننے اور سمجھنے کی کوشش بھی کی ہے اور ان کے مسائل کا مثبت انداز میں حل تلاش بھی کیا ہے۔ وہ بچوں کی نفسیات، ترجیحات اور عصری مقتضیات سے بخوبی

واقف ہیں۔ انھوں نے بیشتر مسائل کو معاشرے کے کرداروں کے وقوعات، واردات، تجربات اور حکایات کے ذریعے بھی پیش کیا ہے جس کی وجہ سے کتاب کے مشمولات میں ایک طرح سے جذب اور کشش کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔

آج کے عہد میں ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے کیونکہ دنیا کا تعلیمی اور تربیتی نظام تیزی سے تبدیل ہوتا جا رہا ہے۔ نئے عہد نے بہت سے نئے مسائل کو جنم دیا ہے جن پر پہلے شاید ہی غور کیا گیا ہو، اس لیے آج کے حالات کے تناظر میں اردو میں بھی تعلیم و تربیت سے متعلق کتابیں لکھی جانی چاہئیں اور اس سلسلے میں اگر انگریزی سے استفادہ کیا جائے تو میرے خیال میں کوئی قباحت نہیں۔ پروفیسر خواجہ ایم شاہد نے امریکہ کے بچوں کے مشہور معالج بنجامن اسپوک (Dr. Benjamin Spock) کی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کا نام ہے 'Dr. Spock's Baby & Child Care'۔ ان کے مطابق ''یہ کتاب ہر ایک ماں باپ کے ضرور ہوتی تھی۔'' آج ہمارے معاشرے کا معاملہ اس سے ذرا مختلف ہے۔ یہاں شاید ہی کوئی کتاب والدین کے پاس رہتی ہو۔

ڈاکٹر محمد صفی انوری کا شکریہ اور مبارکباد کہ انھوں نے حلیمہ سعدیہ کی اس اہم انگریزی کتاب 'Make Them Happy Make Them Great' کو اردو کا پیرہن عطا کیا اور بچوں اور ان کے والدین کے لیے ایک ایسا قیمتی مواد پیش کیا جس کی روشنی میں والدین اپنے بچوں کے مستقبل کا منشور مرتب کر سکتے ہیں۔

■

Haqqani Al-Qasmi
B-145/8, Fourth Floor, Thokar No.: 8
Shaheen Bagh, Jamia Nagar
New Delhi- 110025
Mob.: 9891726444

محمد اسداللہ

کتابیں

ہماری تمہاری یہ سب کی کتابیں
یہ دیکھو ہیں کیسی غضب کی کتابیں
محافظ ہیں علم و ادب کی کتابیں
فلک سے ہیں اتری یہ رب کی کتابیں

چلو آؤ سب ان کو ساتھی بنائیں
کتابوں سے ہم اپنے گھر کو سجائیں

یہی علم ہے اک ہماری کمائی
یہ دولت کتابوں سے ہر اک نے پائی
ہر اک راہ پر یہ کریں رہنمائی
نہ ہو ان سے ہرگز ہماری جدائی

چلو آؤ سب ان کو ساتھی بنائیں
کتابوں سے ہم اپنے گھر کو سجائیں

یہ تعلیم گاہیں جہاں علم برسے
کتابیں لیے ہم چلے اپنے گھر سے
یہ تحفے ملے ہیں ہمیں رب کے در سے
جنھیں مل نہ پائے وہ عزت کو ترسے

چلو آؤ سب ان کو ساتھی بنائیں
کتابوں سے ہم اپنے گھر کو سجائیں

■

Mohd Asadullah
30, Gulsitan Colony
Nagpur- 440013 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149

پان: ایک ہمہ گیر طبی پودا

شیخ تقدیس فاطمہ شیخ گلاب

ہندوستان صدیوں سے مختلف روایتی طبی نظام جیسے آیوروید، سِدّھا اور یونانی کا مرکز رہا ہے۔ یہ سارے نظام جڑی بوٹیوں پر کافی انحصار کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ، جدید ایلوپیتھک ادویات بھی مختلف جڑی بوٹیوں کی مدد سے تیار کی جاتی ہیں۔ قدیم ہندوستان کے ایک طبیب چرک (Charaka) کا ماننا تھا کہ ایسا کوئی پودا نہیں جس سے کوئی طبی فائدہ نہ ہو۔ جڑی بوٹیاں، انسانی بیماریوں کے علاج میں اہم کردار ادا کرتی آئی ہیں جس کا ذکر قدیم کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ وید میں مذکور کئی پودوں نے اپنے بیش بہا طبی فوائد کی بنا پر موجودہ دور کی تحقیق میں اہمیت حاصل کر لی ہے۔ انھیں پودوں میں پان کا بھی شمار ہوتا ہے جس کی طبی اور غذائی خصوصیات آیوروید کی قدیم کتابوں میں بھی درج ہیں۔ آج بھی ہندوستان کے دیہی علاقوں میں لوگوں کی بڑی تعداد مختلف بیماریوں کے علاج کے لیے جڑی بوٹیوں کا استعمال کرتی ہے۔

پان ایک دیسی جڑی بوٹی ہے۔ اسے اردو اور ہندی میں پان اور انگریزی میں Betel leaf کہا جاتا ہے۔ سنسکرت میں یہ 'تانبول' کہلاتا ہے۔ پان کا سائنسی نام Piper Betle Linn. ہے۔ پان کا پودا بیل دار ہوتا ہے اور سائے میں رہنا پسند کرتا ہے۔ پان کا پتہ، دل کی شکل اور گہرے ہرے رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کی لمبائی 15-7 سینٹی میٹر اور چوڑائی 14-5 سینٹی میٹر ہوتی ہے۔ اس کا ذائقہ میٹھا یا ترش ہوسکتا ہے۔

پان کے پتے میں پروٹین، چربی، نشاستہ، ریشے، معدنیات، لوہا، کیلشیم، فاسفورس، آیوڈین، پوٹاشیم، نائٹروجن وغیرہ اجزا پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ وٹامن اے، ڈی، ای، کے، سی اور بی کامپلکس بھی پائے جاتے ہیں۔

ملیشیا کو پان کا آبائی وطن مانا جاتا ہے۔ وہاں سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل، پان، چین، ہندوستان اور دیگر ایشیائی و افریقی ممالک پہنچا۔ دنیا بھر میں پان کی تقریباً 100 جبکہ ہندوستان میں 40/اقسام پائی جاتی ہیں جن میں 30/مغربی بنگال اور بنگلہ دیش کے خطے میں پائی جاتی ہیں۔ ہندوستان میں کئی

ریاستوں مثلاً مغربی بنگال، آسام، آندھرا پردیش، بہار، تمل ناڈو، کرناٹک، اڈیشہ، کیرلا، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش اوراتر پردیش میں پان کی کاشت کی جاتی ہے اوراسے بحرین، کناڈا، نیپال، برطانیہ، سعودی عرب و دیگر ممالک کو برآمد کیا جاتا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق تقریباً20 ؍لاکھ لوگ اپنی روزی روٹی کے لیے پان کی زراعت پر منحصر ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ سری لنکا، ملیشیا، تھائی لینڈ، تائیوان اوردیگر جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں بھی پان کی کاشت کی جاتی ہے۔

پان، ہندوستان میں قدیم زمانے سے ہی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس کے استعمال کی تاریخ تقریباً ڈھائی ہزار سال پرانی ہے۔ صدیوں سے اپنی شفابخش خوبیوں کی بدولت پان کا استعمال دوا کے طور پر کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ آیوروید، سُشرت سمہتا اور کشیپ بھوجنا کلپ، ان کتابوں کے متن کے مطابق لوگوں میں کھانے کے بعد پان چبانے کا چلن عام ہوگیا تھا۔

چینی اطبا بھی مختلف امراض کے علاج کے لیے پان کا استعمال کرتے تھے۔ چین کے تانگ راجاؤں کے ہم عصر مورخین نے جنوب مشرقی ایشیا کو'پان استعمال کرنے والا خطہ' قرار دیا ہے کیونکہ اُس دور میں وہاں پان کے پتے چبانا عام تھا۔ تیرہویں صدی میں یورپی سیاح مارکو پولو نے بادشاہ اور امرا میں پان چبانے کی عادت کا تذکرہ کیا ہے۔

پان کا پتہ بے شمار طبی فوائد کا حامل ہے۔ جنوبی ہندوستان کے دیہی علاقوں میں بڑے پیمانے پر پان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پان، خراش، سوزش اور خارش کے باعث ہونے والے درد کو دفع کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ پان میں اینٹی آکسیڈنٹس پائے جاتے ہیں جو قبض سے نجات دلاتے ہیں اور نظامِ انہضام کو بہتر بنانے میں مدد کرتے ہیں۔ پان کے استعمال سے پیٹ درد کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔ پان، بدن سے زہریلے مادوں کا اخراج کر کے بھوک کو بڑھاتا ہے۔ یہ منہ کی بدبو دور کرنے، بیکٹیریا سے بچاؤ اور دانتوں کو کیڑے لگنے کے عمل کو دھیما کرنے میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

پان سردی اور زکام کے علاج میں بھی مددگار ہے۔ اس کے علاوہ کئی متعدی اور غیر متعدی بیماریوں میں شفا بخش ہے۔ پان دل، دماغ اور جگر کو تقویت پہنچاتا ہے۔ خون کو صاف کرنے اور دورانِ خون کو نارمل کرنے میں مدد کرتا ہے۔ پان کے پتوں کا عرق رات کا اندھاپن دور کرتا ہے۔

طبِ یونانی کے مطابق پان، لعاب دہن بناتا ہے اورمنہ کی خشکی دور کرتا ہے۔ گردے کی سوجن اور ذیابیطس میں بار بار پیاس لگنے پر اس کا استعمال مفید ہے۔ پان کے خوشبودار پتے کو کتھا، چونا اور چھالیہ کے ساتھ کھایا جائے تو اس سے منہ اور تنفس کی بدبو سے چھٹکارا ملتا ہے اور مسوڑھے مضبوط ہوتے ہیں۔ پان کا پتہ معدے کو قوت بخشتا ہے۔ پان کے استعمال سے گلا بیٹھ جانے یا گلے میں خراش کی شکایت دور ہوجاتی ہے۔ پان کے پتے پر تیل یا گھی لگا کر گرم کرکے پھوڑے یا پھنسیوں پر باندھنے سے افاقہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بچوں کے سینے پر باندھا جائے تو ان کی سردی کھانسی دور ہوجاتی ہے۔ دورِ حاضر میں بھی گلوکار اپنی آواز کو بہتر بنانے کے لیے پان کے پتے چبانا پسند کرتے ہیں۔

اس طرح پان کا استعمال صحت اور بیماری دونوں میں مفید ہے۔

■

Shaikh Taqdees Fatema Shaikh Gulab
Plot No.: 109, Aqsa Nagar, Mehrun, Jalgaon
Distt.: Jalgaon- 425001 (Maharashtra)
Mob.: 9156842116

اسامہ انصاری

بچوں میں اسمارٹ فون کی عادت اور اس سے بچاؤ

آج کے دور میں اسمارٹ فون انسان کے لیے ایک بہت بڑی ضرورت بن گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف بڑے لوگ ہی اسمارٹ فون کا استعمال کرتے ہیں، بلکہ اب بچے بھی اس کا استعمال کرنے لگے ہیں۔ یہ ایک اچھی بات ہے کہ بچے بھی ٹکنالوجی کے میدان میں پیش رفت کر رہے ہیں، لیکن اگر ان کے استعمال کا مقصد صرف تفریح ہو تو یہ ان کے لیے ایک نقصاندہ چیز بھی بن سکتی ہے۔

بچوں میں اسمارٹ فون کی لت کی وجہ سے وہ پڑھائی کرنے، کھیلنے کودنے، روزمرہ کے معمولات اور خاندان میں وقت دینے کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اپنے فون کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور اس پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتے ہیں جو کہ ان کی خاندانی اور سماجی زندگی کو متاثر کرتا ہے، اور جو ان کی صحت اور ذہنی وجسمانی نشوونما کے لیے بے حد مضر ہے۔

بچوں کو اسمارٹ فون کی عادت سے بچانے کے لیے والدین کو بچوں کے ساتھ مختلف سماجی اور خاندانی کاموں میں شامل ہونا چاہیے۔ یہ ایک ایسا قدم ہے جو بچوں کو اسمارٹ فون کی لت سے بچانے میں بہت مددگار ہے۔ والدین کو بچوں کے ساتھ کھیلنا، پڑھنا، اور ان کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے۔ اگر والدین بچوں کے ساتھ وقت بتاتے ہیں، تو بچوں کی اسمارٹ فون میں دلچسپی کم ہو جائے گی اور وہ اپنی اس عادت کو ترک کر دیں گے۔

چھوٹے بچوں کا سمارٹ فون کی لت سے بچنا بہت اہم ہے، کیونکہ اگر چھوٹے بچے اسمارٹ فون کا استعمال زیادہ کریں گے تو ان کی صحت، تعلیم اور سماجی زندگی سب پر منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے بچے اسمارٹ فون کی لت سے محفوظ رہیں، تو درج ذیل باتوں پر عمل کریں:

- آن لائن اور آف لائن سرگرمیوں کے درمیان صحت مند توازن کو فروغ دینے، ضرورت سے زیادہ اسکرین ٹائم کو روکنے کے لیے الیکٹرانک آلات کے استعمال کے لیے مخصوص وقت کی پابندیاں قائم کریں۔
- اپنے گھر میں مخصوص جگہوں کو متعین کریں، جیسے کھانے

کا کمرہ یا سونے کا کمرہ، جہاں اسمارٹ فون کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ اس سے خاندان کے افراد کے درمیان براہ راست رابطے اور تعلقات کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

✪ اسمارٹ فون سے توجہ ہٹانے کے لیے جسمانی سرگرمیوں اور گھر کے باہر کھیل کود کرنے کے لیے بچوں کی حوصلہ افزائی کریں۔ باہر کھیل کود میں مشغول رہنا بچوں کو زیادہ فعال اور متوازن طرز زندگی کو برقرار رکھنے میں مدد کرتا ہے۔

✪ والدین خود بھی اپنے اسمارٹ فون کو ضرورت کے تحت استعمال کریں۔ بچے اکثر اپنے والدین کو دیکھ کر ہی سیکھتے ہیں، اس لیے ایک مثبت مثال قائم کرنا بہت ضروری ہے۔

✪ دن کے دوران مخصوص اوقات متعین کریں جب اسمارٹ فون کے استعمال کی اجازت نہ ہو۔

✪ متبادل سرگرمیاں پیش کریں جن میں اسمارٹ فون شامل نہ ہو، جیسے پڑھنا، بورڈ گیمز کھیلنا، یا تخلیقی سرگرمیوں میں مشغول ہونا۔

✪ اپنے بچے کو انٹرنیٹ کو ذمے داری سے استعمال کرنے اور ممکنہ خطرات سے آگاہ رہنے کی اہمیت کے بارے میں سکھائیں۔ اس میں انھیں آن لائن رازداری اور مناسب رویے کے بارے میں تعلیم دینا شامل ہے۔

✪ اپنے بچوں کے آن لائن مواد پر نظر رکھیں۔ نامناسب مواد کو فلٹر کرنے کے لیے مخصوص سیٹنگ کا استعمال کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ مواد ان کی عمر اور پختگی کی سطح کے مطابق ہو۔

✪ اپنے بچے کو دوستوں کے ساتھ وقت گزارنے کی ترغیب دیں۔ اس سے آن لائن اور آف لائن سماجی تعلقات کے درمیان صحت مند توازن پیدا ہوتا ہے۔

✪ نیند کے معیار کو بڑھانے کے لیے سونے سے پہلے اسمارٹ فون اسکرین کا وقت محدود کریں۔ اسمارٹ فون کی اسکرینوں سے خارج ہونے والی نیلی روشنی جسم میں میلاٹونن نامی ہارمون کی پیداوار میں مداخلت کرسکتی ہے، جو نیند کو منظم کرتا ہے۔

امید کرتے ہیں کہ مندرجہ بالا نکات آپ کے معصوم بچوں کو اسمارٹ فون کی لت سے بچانے میں مددگار ثابت ہوگا!

■

Osama Ansari
Madeena Park, Mastger Colony
Near: Raat Rani Hotel
Dhule- (Maharashtra)
Mob.: 8793525470

چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

جب چلی ٹھنڈی ہوا بچہ ٹھٹھر کر رہ گیا
ماں نے اپنے لعل کی تختی جلا دی رات کو

—— سبط علی صبا

بڑی حسرت سے انساں بچپنے کو یاد کرتا ہے
یہ پھل پک کر دوبارہ چاہتا ہے خام ہو جائے

—— نشور واحدی

بھوک چہروں پہ لیے چاند سے پیارے بچے
بیچتے پھرتے ہیں گلیوں میں غبارے بچے

—— بیدل حیدری

میرا بچپن بھی ساتھ لے آیا
گاؤں سے جب بھی آ گیا کوئی

—— کیفی اعظمی

اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے

—— بشیر بدر

اتنا سچ بول کہ ہونٹوں کا تبسم نہ بجھے
روشنی ختم نہ کر آگے اندھیرا ہوگا

—— ندا فاضلی

کبھی آنکھیں کتاب میں گم ہیں
کبھی گم ہیں کتاب آنکھوں میں

—— محمد علوی

اجالا علم کا پھیلا تو ہے چاروں طرف یارو
بصیرت آدمی کی کچھ مگر کم ہوتی جاتی ہے

—— صدا انبالوی

فقط مال و زر دیوار و در اچھا نہیں لگتا
جہاں بچے نہیں ہوتے وہ گھر اچھا نہیں لگتا

—— عباس تابش

ایسی سردی میں شرط چادر ہے
اوڑھنے کی ہو یا بچھونے کی

—— پارس مزاری

اپنے بچوں کو میں باتوں میں لگا لیتا ہوں
جب بھی آواز لگاتا ہے کھلونے والا

—— راشد راہی

ایک ہاتھی ایک راجہ ایک رانی کے بغیر
نیند بچوں کو نہیں آتی کہانی کے بغیر

—— مقصود بستوی

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلومات عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہو جائیں گی۔

1. دہلی کس ندی کے کنارے واقع ہے۔
2. 2021 کے اولمپک گیمز کہاں منعقد ہوئے تھے۔
3. Samsung کس ملک کی کمپنی ہے۔
4. زلزلے کے سائنسی مطالعے کو کیا کہا جاتا ہے۔
5. ریم (Ram) کا فل فارم کیا ہے۔
6. گیر نیشنل پارک کہاں واقع ہے۔
7. پہلی جنگ عظیم کب ہوئی۔
8. تین ہندسوں کا سب سے بڑا نمبر کون سا ہے؟
9. جیومیٹری کا موجد کون ہے؟
10. ہندوستان میں بچوں کا قومی دن کب منایا جاتا ہے۔
11. مہابھارت کس نے تحریر کی؟
12. انسانی جسم میں خون کی صفائی کی ذمے داری کس عضو پر ہے؟
13. جغرافیائی رقبے کے حساب سے دنیا کا سب سے بڑا ملک کون سا ہے؟
14. مولانا حالی کا پورا نام کیا ہے؟
15. ایک سال میں کتنے دن ہوتے ہیں؟
16. دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ کون سا ہے؟
17. ڈسکوری آف انڈیا کس کی تصنیف ہے؟
18. ہمارے جسم کا سب سے حساس عضو کون سا ہے؟
19. ہاکی کا جادوگر کسے کہا جاتا ہے؟
20. 2023 کا کرکٹ ورلڈ کپ کس ٹیم نے جیتا؟

(جواب صفحہ نمبر 37 پر ملاحظہ فرمائیں)

سجانہ پروین محمد توصیف، درجہ ہشتم، مولانا آزاد اردو گرلز، مولوی گنج، دھولے، مہاراشٹر

عالیہ نفیس، درجہ نہم، اتکرمک ہائی اسکول، بسریا بلسّی مدھوبنی، بہار

نزیرہ سید وسیم، جماعت چہارم
ملّت پرائمری اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

ساجدہ بانو محمد شکیل، درجہ دہم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

شیخ محمد عفان محمد انیس، درجہ ہفتم، انگلش میڈیم گلشن مہر انگلش پرائمری اسکول، احمد آباد، گجرات

جویریہ اقبال شیخ، درجہ ہشتم، ملّت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

ننھے فنکار

عائشہ فاطمہ عبیدالرحمٰن ملک درجہ ششم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

عافیہ، درجہ اوّل، اقصیٰ پبلک اسکول، نور چک، مدھوبنی، بہار

میسرہ رحمت علی، درجہ ہفتم، سن رائز اسکول، موودنگر، حیدرآباد (تلنگانہ)

محمد فرحان، درجہ دوم، ماؤنٹ سینا اکیڈمی، گورکھپور، یوپی

عطوفہ علی بنت علی ظفر، درجہ ششم، خدیجہ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

کہکشاں محمد حسین انصاری
نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، بھیونڈی مہاراشٹر

ظہرہ فرحان ملامندو، درجہ ہفتم
بیگم قمر النسا، کاریگر گرلز ہائی اسکول، و جونیئر کالج، شولا پور، مہاراشٹر

مریم یار محمد انصاری، درجہ چہارم
نظام پور شہر میونسپل کارپوریشن اسکول نمبر 6، بھیونڈی مہاراشٹر

علیزہ خان، درجہ سوم، سینٹ اینتھونی چرچ، بنگلور، کرناٹک

نبیل عالم، درجہ یو کے جی، ڈی اے وی، جسولہ، نئی دہلی۔ 25

زیان رشید قاضی، درجہ ششم، نیشنل ہائی اسکول، آزاد نگر، دھولے، مہاراشٹر

زینب بخش بنت شعبان بخش، درجہ سوم، گرین ووڈ اسکول، بدایوں، یوپی

عائشہ امان، درجہ اوّل، اقصیٰ پبلک اسکول، نور چک، مدھوبنی، بہار

شاہ کاشفہ تنویر، درجہ ہشتم، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

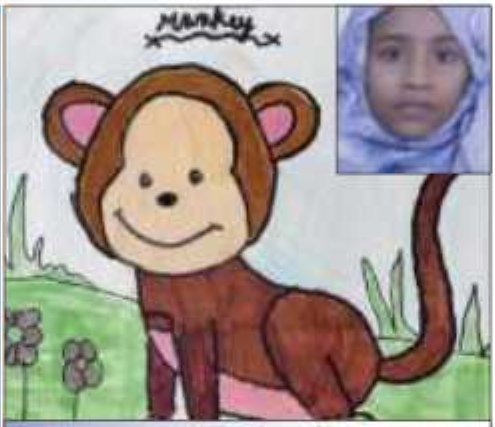

انابیہ علی بنت علی ظفر، درجہ چہارم
خدیجۃ الکبریٰ گرلز پبلک اسکول، جامعہ نگر، نئی دہلی

ثنا فردوس، درجہ پنجم، انڈیا انٹرنیشنل اسکول، غازی آباد، یوپی

شہاب علی اکرم علی، درجہ پنجم، جے ایم سی اسکول، نمبر 56-36، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

حذیفہ اسد، درجہ کے جی، الہدیٰ ماڈل اسکول، لکھنؤ، یوپی

قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

- رسالے میں بچوں کے ادیبوں کے تعارف اور تصویر کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے تا کہ بچوں کے ادیبوں کی ڈائرکٹری ترتیب دینے والوں کو مدد مل سکے۔
- معلومات عامہ، صحت، زبان شناسی، تاریخ، تہذیب، سائنس و ٹیکنالوجی، جغرافیہ، آثار قدیمہ اور اہم شخصیات سے متعلق تخلیقات ترجیحی طور پر شائع کی جائیں گی۔
- 'مستقبل کے قلمکار' عنوان کے تحت بچوں کی تحریروں کو خاص طور پر شائع کیا جائے گا۔
- بچوں کے ادیبوں کے انٹرویوز اور رسائل کے مدیران پر ایک سیریز شروع کی جائے گی۔

قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی حتمی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, जनवरी 2024, वर्ष 12, अंक 01
BACHON KI DUNIYA Monthly, January 2024 Vol. 12, Issue: 01
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2022-24
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/12/2023
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت

ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

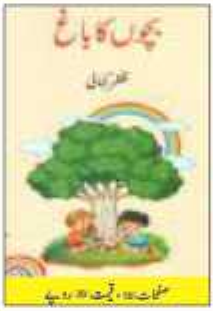
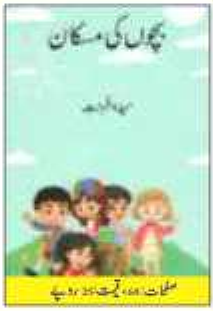
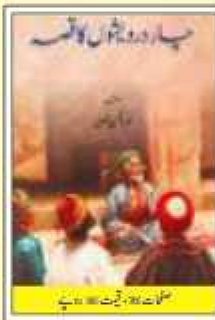
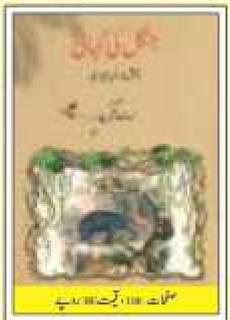

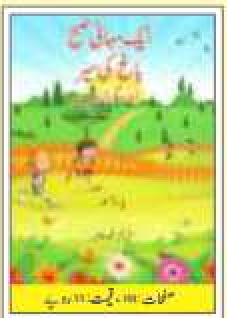

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Dhananjay Singh, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.
LPC DELHI,DELHI PSO,DELHI RMS,DELHI-6